مقدماتِ امیرِ شریعتؒ

مرتبہ

جانباز مرزا

مدیر ماہنامہ تبصرہ لاہور

مکتبہ تبصرہ بیرون دہلی دروازہ لاہور

قیمت ۲ روپے

مطبوعہ اردو پریس لاہور

مقدماتِ امیرِ شریعتؒ

حضرت امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ
ہائی کورٹ میں

مسٹر لدھا رام
سرکاری رپورٹر

اور دیگر گواہانِ استغاثہ کے دلچسپ بیانات

۵

واقعاتِ مقدمات نمبر ا

حاکم اور محکوم کے درمیان "اعتبار" ایک ایسے فریق کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے جس پر دونوں کا یقین خام ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ انگریزی حکمران ہندوستانی عوام کو ہمیشہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے رہے اور غلاموں کا دل بھی حاکموں کے لیے اجنبی رہا۔!

دوسری جنگِ عظیم میں سامراجی قوتوں کو پہلی بڑی لڑائی میں اپنے وعدوں سے انحراف کے باعث اپنے ہی غلاموں پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر جرمن قوم اپنی شکست کا انتقام لینا چاہے تو ہندوستان دوسری جنگِ عظیم میں ہمارا اتحادی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے برطانوی وزیرِ اعظم مسٹر چیمبرلین جنگ کے بادلوں کو اپنے چھاتے کے سہارے روکتے رہے لیکن لندن کی کھڑکیاں آخر ٹوٹ کر رہیں۔

متحدہ ہندوستان کے فریب خوردہ عوام فرنگی اقتدار کے مندر پر اپنی جوانیاں بھینٹ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اور نہ ہی ان کی انگلیاں اپنی غلامی کے ٹوٹے ہوئے جال کی مرمت کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ فرنگی دانشوروں نے اپنے عساکری مراکز کے گرد حصار کی تعمیر مناسب سمجھ کر اپنے باغیوں کی دیکھ بھال میں مزید اضافہ کر دیا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا گل شیر علیہ الرحمہ کی معیت میں ضلع میانوالی کے تبلیغی دورے پر گئے۔ یہ اگست ۱۹۳۹ء کی بات ہے۔

جنگ جو جوانوں کی اس دھرتی پر حضرت امیر شریعتؒ نے توحید باری تعالیٰ اور برطانیہ کے خلاف بغاوت کے جو پھول بکھیرے میانوالی کی خشک، ویران اور ریتلی زمین انھیں اپنے دامن میں سمیٹتی رہی۔ چنانچہ آج اس ضلع میں سیاسیات کے جو برگ و بار کثر آور نظر آ رہے ہیں یہ انہی ہواؤں کا اثر ہے جو دامن امیر شریعت نے وقت اور موسم کے خلاف نکالی تھیں۔

خان زماں، صوفی عبدالرحیم، صوفی اللہ داد اور دوسرے سیاسی کارکن انہی دنوں کی پیداوار ہیں۔

ریت کی سرزمین سے باد سموم کا ہر جھونکا انگریزی سامراج کے خلاف آگ اگلنے لگا۔ بندوقوں سے مسلح بازو غیر ملکی غلامی کے خلاف جہاد میں مصروف

ہو گئے۔ پہاڑوں کے دامن میں پرورش پانے والے سنگ دل عوام حریت کے گیت الاپنے لگے۔

یہ دیکھ کر غیر ملکی حکمرانوں کے تیور بدل گئے۔ قانونِ فرنگی شکاری کتے کی طرح پائے امیر شریعت کے نشان ڈھونڈنے لگا۔ حکومت اپنے باغی کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگی۔ مآل کار وہ منحوس گھڑی آن پہنچی کہ حضرت امیر شریعت رح ۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ضلع مظفر گڑھ سے دفعہ ۱۲۱۔ ۳۰۲۔ اور ۱۲۴/۱۵۳ اے کے تحت سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے گرفتار کر لیے گئے۔ یہ مقدمات اے ڈی ایم راولپنڈی کی عدالت میں ۲۴ روز تک زیر سماعت رہے۔ ۱۲۔ اکتوبر کو عدالت نے انھیں سیشن سپرد کر دیا۔

ہنوز قانونِ فرنگی اپنے جھوٹ میں سچائی کی تلاش کر رہا تھا کہ حکام گجرات نے ایک نئی کروٹ لی اور حضرت امیر شریعت کو ۲۸۔ جون ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ کی ایک تقریر کی بنا پر دفعہ ۳۰۲/۱۷ اے کے تحت ایک نئے مقدمہ کی طرح ڈالی

پنجاب کی عنانِ حکومت ان دنوں سر سکندر حیات کے قبضۂ اقتدار میں تھی وہ اگرچہ ذہنی طور پر پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ چلا رہے تھے لیکن دل سے افواجِ فرنگی کے علمبردار تھے۔ انھی دنوں آسمانِ یورپ پر جنگ کے بادل تیزی سے منڈلا رہے تھے کہ کسی گھڑی بھی ان کے برسنے کا گمان ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں سر سکندر حیات بساطِ سیاست پر فرنگی دانشوروں کے

ہاتھ میں ایک ایسا مہرہ تھا کہ جس کی ہر چال سے فریق مخالف مات کھا سکتا تھا۔
چنانچہ امیر شریعت رح پر دوسرا مقدمہ ایک بہت بڑی سازش تھی۔ اگر اس ڈرامہ کا ہدایت کار خود اپنے ہی بنے ہوئے جال میں نہ الجھ جاتا تو امیر شریعت رح کو دو دفعہ سزائے موت ہوتی اور انھیں دو دفعہ پھانسی کے تختے پر لٹکایا جاتا۔

۱۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو گجرات سب جیل میں لالہ لکھی داس کی عدالت میں پہلی دفعہ حضرت امیر شریعت رح کو پیش کیا گیا۔ دوسری پیشی ۱۱۔ جنوری ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔ جب کہ استغاثہ کے چیف گواہ لالہ لدھا رام پولیس رپورٹر نے عدالت میں اپنا تاریخی بیان دیا۔ جو آگے چل کر آپ ملاحظہ کریں گے۔

اس بیان کی بنا پر گورنمنٹ کے ایڈووکیٹ جنرل نے ۱۳۔ فروری ۱۹۴۰ء کو لاہور ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ :

"سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل کیا جائے چونکہ لدھا رام گواہ استغاثہ نے سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کو جو لا اینڈ آرڈر کے انچارج بھی ہیں اس مقدمہ میں پھنسانے کی کوشش کی ہے اس لیے کسی ماتحت عدالت پر اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں چھوڑنا چاہیے"

ایڈووکیٹ جنرل کی اس درخواست کی سماعت مسٹر اسکمپ نے کی جو

ہائی کورٹ کے جج تھے۔) اس کے بعد یہ تاریخی مقدمہ ہائیکورٹ میں منتقل ہو گیا

لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس مسٹر ڈگلس ینگ اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات کے درمیان ذاتی کشمکش تھی جس کی بنا پر ڈگلس ینگ نے دہلی کے مشہور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ مسٹر آرکی معرفت مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سے ملاقات کی خواہش کی۔ چنانچہ مولانا مرحوم ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی معیت میں صبح پانچ بجے چیف جسٹس کی کوٹھی پر پہنچے۔ مسٹر ینگ کوٹھی کے عقبی دروازے پر مولانا کے منتظر تھے۔ یہاں سے مسٹر ینگ اپنے خصوصی کمرے میں لے گئے۔ دو گھنٹے تک ڈاکٹر عبدالقوی کے توسط سے مسٹر ینگ اور مولانا حبیب الرحمٰن کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ اس گفتگو کے دوران مسٹر ینگ نے وعدہ کیا کہ ابتدائی سماعت سے لے کر آخری فیصلے تک یہ مقدمہ میں خود سنوں گا اور خود ہی فیصلہ کروں گا۔ اگرچہ حکومت پنجاب اور سی آئی ڈی کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسٹر ینگ اور مولانا حبیب الرحمٰن کے درمیان کوئی خفیہ ملاقات ہوئی ہے لیکن توسط اور مقام معلوم نہ ہو سکا۔ حکومت اور سی آئی ڈی اس ملاقات کے متعلق کافی دنوں پریشان رہی۔

گجرات کی عدالت میں شاہ جی کے وکیل دیوان چمن لال تھے۔ لدھارام کے بیان کے بعد پولیس گواہ استغاثہ کو منحرف قرار دے چکی۔ چنانچہ

پولیس کی کوشش تھی کہ جیسے ہی لدھا رام عدالت سے فارغ ہو اسے گرفتار کر لیا جائے لیکن دیوان چمن لال لدھا رام کو اپنے ساتھ عدالت سے باہر لائے۔ پولیس کو یقین تھا کہ وکیل اور گواہ کے درمیان کوئی آئینی گفت گو ہو رہی ہے اس لیے مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ پولیس منتظر تھی کہ یہ فارغ ہو اور گرفتار کریں۔ لیکن دیوان چمن لال پولیس کے ارادوں کو بھانپ گئے اور لدھا رام کو فوراً اپنے ساتھ کار میں بٹھلا کر لے گئے۔

اس واقعے سے پولیس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے اپنے شکار کی تلاش میں پنجاب بھر کے دیہات، قصبات اور شہری مجالسِ احرار کے دفاتر پر اکثر چھاپے مارے لیکن مسٹر لدھا رام پنجاب میں نہیں بلکہ یو۔پی کے ایک شہر سہارن پور سے آگے ایک جنگل میں پناہ گزیں تھے۔

۱۱۔ اور ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو مقدمہ از سر نو چیف جسٹس مسٹر ینگ اور مسٹر رام لال پر مشتمل فل بنچ کے روبرو پیش ہوا۔ دو دن کی سماعت کے بعد لدھا رام کی شہادت کے لیے مقدمہ یکم اپریل سنہ ۱۹۴۰ء تک ملتوی کر دیا گیا۔

استغاثہ نے اس مقدمے کی کہانی اس طرح بنائی تھی کہ:

" شاہ جی نے اپنی ۲۸۔ جون کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ اسلامی

حکومت اب نہیں رہی اور مسلمانوں کو عنانِ حکومت پھر اپنے قبضے میں لینی چاہیے۔

اور مسلمان عورتوں کے نکاح کے فیصلے شیطان انگریز کرتے ہیں اور اسلامی قانون کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور بعض غیر دین دار مؤرخوں نے انگریزوں کے زیر اثر تاریخی واقعات کو غلط پیرائے میں بیان کیا۔ مثال کے طور پر عالمگیر اورنگ زیب بارہ من جینیو روزانہ اتروانے کا واقعہ بیان کیا اور حاضرین کی حوصلہ افزائی پر شاہ صاحب نے کہا کہ میں حکومت کا تختہ الٹ دوں گا اور ان کو ایسے زور سے سمندر میں دھکیل دوں گا کہ پھر واپس نہ آسکیں گے اور انگریزوں کے خون سے سمندر کے پانی کو سرخ کر دوں گا جس طرح یزید نے حضرت امام حسینؓ کی فوجوں کو قتل کر دیا تھا۔

اور علامہ مشرقی گورنمنٹ کا ایجنٹ ہے اس لیے حاضرین کو ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ اور مرزا غلام احمد ایک کافر ہے جس نے برٹش گورنمنٹ کو پانچ صد گھوڑ سواروں کی امداد کی تھی۔"

استغاثہ کی اس کہانی کے بعد عدالت نے لدھا رام کو بطور استغاثہ کے گواہ کے طلب کیا۔ جسے ماتحت عدالت میں بیان دینے کی بنا پر منحرف

قرار دے چکی تھی۔ ہائی کورٹ میں شاہ جی کے وکیل میاں عبدالعزیز نے دوسرے دن کے لیے اجازت چاہی تاکہ لدھا رام گواہ کو پیش کر سکیں۔

۲۔ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء کی صبح کو مسٹر لدھا رام احرار رضاکاروں کی معیت میں لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر اترے۔ وہ رومی ٹوپی، شتری رنگ کی اچکن اور تنگ پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ ممکن ہے پولیس انہیں ان کے روایتی لباس میں تلاش کر رہی ہو۔ لیکن وہ اس لباس میں چھپ کر پولیس کی نظروں سے اوجھل ہائیکورٹ میں پہنچے۔

عدالت عالیہ کا صحن عوام، پولیس اور رضاکاران احرار سے بھرا ہوا تھا۔ پولیس لوہے کی زنجیریں اور لاٹھیاں لیے مسٹر لدھا رام کی منتظر تھی۔ لیکن ۲۔ اپریل کا دن پولیس کی ناکامی کا بدترین دن تھا جب کہ وہ اپنی تمام قوت کے باوجود احرار رضاکاروں سے شکست کھا گئی۔

احرار رضاکار اور پولیس کے درمیان کشمکش تھی۔ پولیس لدھا رام کو عدالت میں جانے سے پہلے گرفتار کرنا چاہتی تھی لیکن احرار رضاکار لدھا رام کو ہائی کورٹ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس دوڑ دھوپ میں جیت احرار رضاکاروں کی ہوئی۔

یکم اپریل سے ۳۔ اپریل تک لدھا رام کی شہادت ہائی کورٹ میں جاری رہی۔ ۵۔ اپریل کو حضرت امیر شریعت رحمہ نے استغاثہ کی تردید میں

عدالت میں اپنا بیان دیا کہ :

میں نے ۲۸۔جون ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ میں تقریر کی اور اس میں کہا کہ ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے گئی اب مسلمانوں کو آزادی وطن میں حصہ لینا چاہیے نیز میں نے کہا تھا کہ وطن کے آزاد ہونے پر مسلمانوں کے مذہبی مقدمات شریعت کے مطابق طے ہوں گے ۔چونکہ جلسہ کانگرس کا تھا اور میں کانگرس پلیٹ فارم سے بول رہا تھا ۔ ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں میں نے کہا کہ بعض مورخین نے متعصبانہ رنگ میں یہ غلط بات مشہور کی تھی کہ اورنگ عالمگیر روزانہ بارہ من جینو جلا یا کرتا تھا ۔اگر وہ ایسا کرتا تو دہلی کے قرب وجوار میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا حالانکہ اس وقت بھی وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور اب بھی ہے

چیف جسٹس : کیا آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں تو میں حکومت کا تختہ الٹ دوں اور شیطان انگریزوں کو ایسا دھکا دے کر باہر نکال دوں کہ واپس نہ آسکیں ۔

شاہ جی: میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے۔ نیز میں نے اپنی تقریر میں یہ نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کرو جس طرح یزید نے حسینؓ کی فوج کو قتل کیا تھا۔ میں تیس سال سے عدم تشدد کی تلقین کر رہا ہوں۔ منگو سے ڈھاکہ اور شملہ سے سے بمبئی تک کروڑوں آدمیوں میں عدم تشدد کی تبلیغ کی اور لاکھوں کو اپنا رفیق بنایا۔ اس قسم کے لغو الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں کیے۔

جہاں تک امام حسین علیہ السلام اور یزید کا تعلق ہے آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے کو یزید کہا اور انگریزوں کو حسینؓ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان اپنے کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ میں یزید کا اپنے لیے اور حسینؓ کا انگریزوں کے لیے استعمال کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی یہ برداشت کر سکتا ہوں کوئی اپنے آپ کو یزید کہے۔

میں علامہ مشرقی کی تحریک کی مخالفت کرتا رہا ہوں ممکن ہے میں نے علامہ مشرقی کو ایجنٹ کہا ہو لیکن ڈنے کا لفظ تو

میں اپنی زبان سے کہنا بھی نہیں چاہتا۔

مسٹر سلیم : ایڈووکیٹ جنرل کے سوال کے جواب میں شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے ہزاروں مرتبہ مرزا غلام احمد کو کافر کہا ہے۔ کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ میرا مذہب ہے۔ مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں میں درج ہے کہ انھوں نے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں دلایا تھا کہ ان کے دادا نے ۱۸۵۷ء میں پانچ سو سواروں سے گورنمنٹ کی مدد کی۔ اس سے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ہائیکورٹ کے فل بنچ نے جو کہ مسٹر جسٹس ینگ اور دیوان رام لال پر مشتمل تھا نے گواہان استغاثہ کے بیانات اور شاہ صاحب کے بیانات کے بعد حضرت امیر شریعت کو باعزت بری کر دیا۔ مسٹر لدھا رام کو جو اس مقدمے کا خاص گواہ تھا منحرف قرار دیتے ہوئے اس پر مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی۔

مقدمہ نمبر ۲

قادیان میں مرزائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش اگرچہ کافی عرصے سے چلی آرہی تھی تاہم ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مرزائی اکثریت کی بنا پر قصبہ کے مسلمانوں سے اچھوتوں کا سا سلوک کرنے لگے۔ نہ صرف مذہب میں اُن سے بیگانگی برتی جاتی بلکہ کاروبار میں بھی چند ایسی شرطیں عادی کر دی گئیں ان پر عمل کئے بغیر کوئی مرزائی مسلمان دکان دار سے سودا خریدتا گناہ خیال کرتا۔ مثلاً جس دکان دار کے پاس مرزا محمود کا سرٹیفکیٹ نہ ہو اس سے کاروباری لین دین ناممکن تھا۔ سرٹیفکیٹ میں چند اس قسم کی شرائط تھیں:

ہم مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام احمد کہیں گے۔

مسلمانوں کے کسی اجتماع میں شرکت سے اجتناب برتیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قصبے کے مظلوم مسلمانوں نے اپنی بے چارگی پہ آنسو بہائے۔ ہندو اور سکھ تو ان سے ہمدردی کرتے لیکن مرزائی ایک قدم بھی مسلمانوں کے ساتھ رواداری سے چلنا گناہ سمجھتے۔ آخر ایک وقت آیا کہ مجلسِ احرار نے اہلِ قصبے کے مسلمانوں کی امداد کرنا ناگزیر سمجھا۔ چنانچہ وہاں مجلسِ احرار کا دفتر قائم کیا گیا۔ مولانا عنایت اللہ اور اس کے بعد ماسٹر تاج الدین انصاری نے قادیان کے مسلمانوں کی نگہداشت کی۔ دبے ہوئے مسلمانوں نے نئی کروٹ لی۔ خزاں بہار میں بدل گئی۔ ویران دل کلمۂ توحید سے آباد ہونے لگے۔ ختمِ نبوت کا پرچم غیر مسلموں کے لیے رُوحانی موت بن کر لہرانے لگا۔ کفر سہم کر رہ گیا۔ اس طرح محسوس ہوا جیسے محمود غزنوی سومنات کی دیواریں گرانے آیا ہے۔ آگے بڑھ کر حالات نے اور سنبھالا لیا، ایمان پختہ ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار اسلام نے اپنا پہلا تاریخی اجتماع قادیان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس سے برطانوی سامراج اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدانِ کارزار میں اتر آیا۔ قادیان کے راستے مسلمانوں کے لیے مسدود کر دیے گئے۔ قادیان کے اسٹیشن سے شہر تک تمام راہیں ببول کے کانٹوں سے بھر دی گئیں۔ شکاری کتوں کے رستے کھول دیے گئے اور وہ زمین جس پہ اجتماع منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا تھا مالک زمین نے انکار کر دیا۔

ان حالات کے باوجود ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی معیت میں لاکھوں مسلمان قادیان میں پہنچے اور یہ کانفرنس ایک سکھ کی زمین پر منعقد کی گئی۔

تین دن کے مسلسل اجتماع میں ہر خیال، ہر مکتبۂ فکر کے رہنماؤں نے ختم نبوت کے موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ نیز حضرت امیر شریعتؒ نے سات گھنٹے تک برطانیہ کے خود کاشتہ پودے کی پتیاں اس طرح بکھیریں کہ اس کے مالی کو پودے کی حفاظت کا شدت سے احساس ہوا۔ چنانچہ قانون فرنگی حرکت میں آیا اور شاہ جی پر دفعہ ۱۵۳ کے تحت مقدمہ دائر کیا گیا۔

کئی ماہ کی جدوجہد کے بعد گورداسپور کے اے ڈی ایم نے شاہ جیؒ کو چھ ماہ کی سزا دی۔ اس سزا کے خلاف سشن جج مسٹر جی ڈی کھوسلہ کی عدالت میں اپیل کی گئی جس کا فیصلہ فاضل سشن جج نے جون ۱۹۳۵ء کو سنایا۔

جانباز مرزا

مدیر ماہنامہ تبصرہ۔ لاہور

۷۔ مارچ ۱۹۶۳ء



سابق چیف جسٹس لاہور مسٹر ڈگلس ینگ
جنہوں نے حضرت امیر شریعتؒ کو بغاوت کے
مقدمہ سے بری کیا۔

میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دستخط میرے ہیں
——— گواہ استغاثہ نمبر ۲

اس کاربن کاپی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے ہیں
——— گواہ استغاثہ نمبر ۳

کاغذات کی اہمیت کا علم ہونے پر کاغذات کیوں پھاڑے
——— جسٹس رام لال

لاہور ۱۱۔ مارچ۔ آج لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ پر مشتمل چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور رائے بہادر جسٹس رام لال کے سامنے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) سڈیشن

دفعہ ۱۵۳ (ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقوں میں منافرت پھیلانے - دفعات ۳۰۲ - ۱۱۷ التعزیرات ہند (قتل کی انگیخت) وغیرہ الزامات میں مقدمہ پیش ہوا۔

شاہ صاحب سنٹرل جیل سے ہائی کورٹ میں بذریعہ موٹر حاضر ہوئے تو مجمع شاہ صاحب کو بیتابی سے دیکھنے کے لیے شاہ صاحب کی طرف دوڑا۔ اور شاہ صاحب زندہ باد - مجلس احرار زندہ باد کے نعروں سے ہائی کورٹ گونج اٹھا۔ شاہ صاحب کو ہتکڑی کے بغیر عدالت میں پیش کیا گیا۔ کمرۂ عدالت حاضرین، وکلاء اور پریس کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔ داخلہ پاس کے ذریعے تھا سینکڑوں لوگ پاس نہ مل سکنے کی وجہ سے عدالت کے صحن ہی میں کھڑے تھے۔ کمرۂ عدالت اور صحن میں پولیس کا کڑا پہرہ تھا۔ سرکار کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر منیر ایڈووکیٹ جنرل اور ملزم کی طرف سے میاں عبدالعزیز، دیوان چمن لال ہسٹر کے ایل گابا بیرسٹر اور مسٹر بدرالاسلام ایڈووکیٹ، مسٹر عبدالقیوم وکیل لائل پور پیروکار تھے۔

مقدمے کے واقعات

شاہ صاحب کے خلاف اس مقدمے کی سماعت شروع میں لالہ لکھمی داس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی جس تقریر کی

بنا پر مقدمہ چلایا گیا وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۸۔جون ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ میں کی گئی بیان کی جاتی ہے۔

استغاثہ کا بیان تھا کہ شاہ صاحب نے جس جلسے میں تقریر کی وہ گرانڈ ٹرنک روڈ کے نزدیک ہوا اور اس میں چار پانچ سو آدمی موجود تھے لدھارام کانسٹیبل نے شاہ صاحب کی تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے۔ اس نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں بیان دیا کہ شاہ صاحب پر وزیر اعظم پنجاب اور ان کے پرسنل اسسٹنٹ کی ہدایات پر جھوٹا مقدمہ بنایا گیا ہے۔

۱۳۔فروری کو ایڈووکیٹ جنرل مسٹر سلیم نے ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ اس مقدمے کو ہائی کورٹ میں منتقل کیا جائے۔ کیونکہ لدھارام گواہ استغاثہ نے وزیر اعظم کو جو لا اینڈ آرڈر کے انچارج ہیں اس مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی ہے کسی عدالتِ ماتحت پر اس معاملے کا فیصلہ نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ جسٹس اسکیمپ نے درخواست کی سماعت کے بعد مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل کر دیا۔

از سرِ نو سماعت

شروع میں اس امر پر بحث ہوئی کہ مقدمہ کی سماعت از سر نو کی جائے ایڈووکیٹ جنرل کے دلائل سننے کے بعد چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ انھیں مقدمہ کی از سرِ نو سماعت پر کوئی اعتراض ہے؟ میاں

عبدالعزیز نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں چنانچہ مقدمہ کی سماعت از سرِ نو شروع کر دی گئی۔

پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت

سب سے پہلے سردار بھگت سنگھ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت قلمبند کی گئی۔ جس نے کہا:

یہ مقدمہ گورنمنٹ پنجاب کے حکم پر چلایا گیا ہے۔ گورنمنٹ کا حکم میرے پاس موجود ہے۔ گواہ نے ایڈووکیٹ جنرل کے کہنے پر حکومت پنجاب کا حکم فائل سے نکال کر دکھایا۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے کہا:

تقریر کے وہ حصے پیش کیے جائیں جو قابلِ اعتراض ہیں۔

مسٹر سلیم نے کہا: اس گواہ کا بیان اور رلدھا رام گواہ کا بیان بیک وقت لیا جائے کیونکہ جن دو اہم نکات پر مقدمے کا دارومدار ہے وہ ان دونوں گواہوں کے بیانات سے متعلق ہے۔ مسٹر سلیم نے کہا کہ ابھی تک لدھا رام پر سمنوں کی تعمیل ہی نہیں ہوئی۔

اس پر چیف جسٹس نے کہا: کہ اس گواہ کا بیان قلم بند کر لیا جائے اور جب لدھا رام کا بیان ہوگا تو گواہ پر مکرر جرح ہو سکتی ہے۔

مسٹر سلیم کے سوال پر گواہ نے بیان کیا:

مجھے یاد ہے کہ لدھا رام نے عدالت ماتحت میں یہ بیان دیا تھا کہ شاہ صاحب

کی تقریر کی اصل شارٹ ہینڈ نوٹ بک جلادی گئی ہے۔ مگر اس میں بالکل صداقت نہیں ہے۔

جرح

اس کے بعد میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کی

سوال: آپ کب سے کب تک گجرات میں پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر رہے؟

جواب: اپریل ۱۹۳۷ء سے جنوری ۱۹۴۰ء تک۔

سوال: جب اس مقدمے میں لدھارام کا بیان ہوا تو آپ استغاثہ کی طرف سے پیرو کار تھے؟

ج: ہاں میں پبلک پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے ساتھ پیرو کار تھا۔

س: آپ نے لدھارام کے بیان کے ابتدائی چند فقرات کے بعد کہا تھا کہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔

ج: ہاں۔

س: کیا آپ ۸۔ جنوری کو وزیر آباد سے گجرات گئے تھے؟

ج: ہاں۔

س: کیا ۸۔ جنوری کو آپ کسی جگہ لدھارام کو ملے؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو گجرات میں تھے؟

ج : نہیں ، میں دہلی میں تھا۔

س : آپ کب دہلی گئے تھے ، کتنے دن رہے اور کب گجرات واپس آئے ؟

ج : ۲۴۔دسمبر کو دہلی روانہ ہوا۔ ۲۵۔دسمبر کو وہاں پہنچا۔ ۵ دن وہاں رہا اور ۲۹۔دسمبر کو شام کے ۶ بجے وہاں سے سندھ ایکسپریس میں روانہ ہو کر دوسرے دن یعنی ۳۰۔دسمبر کو بارہ بجے کے قریب واپس گجرات پہنچا۔

س : کیا آپ کسی سرکاری کام سے دہلی گئے تھے ؟

ج : نہیں میں رخصتیں گزارنے وہاں گیا تھا۔

س : کیا آپ نے ان دنوں سپرنٹنڈنٹ پولیس یا کسی دوسرے اعلیٰ افسر کو اپنی غیر حاضری یا اسٹیشن چھوڑنے کے لیے اجازت کی درخواست دی۔

ج : میں نے زبانی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا تھا اور یہی دستور ہے۔

س : کیا آپ کی گجرات سے غیر حاضری کا کوئی ریکارڈ سرکاری یا غیر سرکاری موجود ہے ؟

ج : سرکاری ریکارڈ کوئی نہیں۔ میں دہلی میں کارونیشن ہوٹل میں ٹھہرا۔ وہاں میں نے ہوٹل کے چھپے ہوئے فارم پر کیے تھے۔

س : کیا آپ کے پاس اس ہوٹل کی تحریر ہے ؟

ج : ہوٹل کے تمام بل میرے پاس موجود ہیں۔

س : آپ نے اب تک یہ سارے بل اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہیں ؟

ج : پہلے میں نے ان بلوں کو پھاڑ دیا تھا مگر لدھارام کے بیان کے بعد ان کو رکھ چھوڑا۔ اور عدالت میں پیش کیا۔

س : جب ۲۹ تاریخ کو آپ نے ہوٹل والوں کا حساب چکایا تو اسی وقت بل پھاڑ دیے۔

ج : نہیں، بلکہ گجرات پہنچ کر۔ مگر مجھے یاد نہیں کہ کس تاریخ کو یہ بل پھاڑے۔

س : کیا آپ لدھارام کے بیان کی تردید کے لیے ان بلوں کو بھی ساتھ لائے ہیں؟

ج : ہاں، کیونکہ مجھے خیال تھا کہ شاید مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔

س : آپ دوسرے ہوٹلوں میں بھی ٹھہرتے رہے ہوں گے۔ کیا ان کے بل بھی اپنے پاس رکھ چھوڑتے ہیں یا پھاڑ ڈالتے ہیں؟

ج : مجھے یاد نہیں کہ میں کسی ہوٹل میں ایک دن سے زیادہ عرصہ ٹھہرا ہوں۔

س : کیا آپ نے کسی اور ہوٹل کا بل اپنے پاس نہیں رکھا؟

ج : نہیں۔

س : کیا آپ نے متذکرہ بل یکم جنوری سے ۲ جنوری تک کسی دن پھاڑ کے

ج : مجھے یاد نہیں۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ یہ سوال کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے کہا: کیونکہ ۱۱ جنوری کو لدھا رام کا بیان ہوا اور اس سے پیشتر گواہ کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ مقدمے میں بلوں کی ضرورت پڑے گی۔ (گواہ سے) جب آپ نے بل پھاڑے تو ان کو کہاں پھینکا؟

ج : میں نے ان کو میز پر رکھے ہوئے ردّی کاغذوں کے ساتھ رکھ دیا۔

س : کیا آپ کے پاس ردّی کی ٹوکری نہیں ہے؟

ج : میرے مکان پر ردّی کی ٹوکری نہیں ہے۔

س : ان کاغذات کو جنھیں آپ غیر ضروری سمجھ کر پھاڑ دیتے ہیں کیا کیا کرتے ہیں؟

ج : میں انھیں باہر پھینک دیتا ہوں یا جلا دیتا ہوں۔

س : آپ نے جس دن وہ کاغذ پھاڑے تو وہ اور دوسرے غیر ضروری کاغذ کب تک آپ کی میز پر پڑے رہے؟

ج : میں نے ان بلوں کو رکھ لیا اور باقی کاغذ پھینک دیے۔

چیف جسٹس: آپ نے یہ کاغذ کیوں رکھ لیے؟

گواہ : اس لیے کہ لدھا رام نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں اس سے ۲۸۔ دسمبر کو ملا۔

میاں عبدالعزیز : لدھارام کا بیان ۱۱ جنوری سے پہلے نہیں ہوا۔ اور ۱۱ جنوری سے پہلے آپ اس سے ملے ہی نہیں ؟

ج : ہاں وہ اس عرصے میں مجھ سے نہیں ملا۔

س : آپ کے پھٹے ہوئے بل کہاں تھے ؟

ج : میرے ٹرنک میں پڑے رہے۔

س : آپ جن کاغذوں کو پھاڑ دیتے ہیں اسی روز پھینک دیتے ہیں ؟

ج : جی ہاں اسی روز۔

س : جب ۱۱ جنوری کو گجرات سب جیل میں لدھارام کا بیان ہوا اسی روز پانچ بجے شام آپ اس سے ملے ؟

ج : ہاں میں اس کے مکان پر گیا۔

س : آپ نے کہا ہے کہ لدھارام کے بیان کے بعد ان بلوں کو پھاڑا اور پھر رکھ دیا۔

ج : ہاں مجھے خیال آگیا کہ یہ ضروری نہ ہوں۔

س : جسٹس رام لال : جب آپ کو لدھارام کے بیان کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کاغذات اہم ہیں تو پھر آپ نے انھیں کیوں پھاڑ ڈالا ؟

ج : جب میں کاغذات کو پھاڑ رہا تھا تو مجھے ان کی اہمیت کا خیال آیا۔

چیف جسٹس : ۱۱ جنوری تک یہ بل آپ کے ٹرنک میں پڑے رہے اور

لدھارام کے بیان کے بعد پانچ بجے شام گھر جاکر انھیں پھاڑ دیا ؟
ج : میں نہیں کہہ سکتا کہ اسی روز بلوں کو پھاڑا یا دوسرے دن !
س : لدھارام کب تک آپ کے ماتحت کام کرتا رہا ۔
ج : وہ میرے ماتحت نہیں بلکہ تھانہ میں بطور کانسٹیبل کام کرتا تھا ۔
س : کیا لدھارام یا دوسرے رپورٹر آپ کو رپورٹ دیا کرتے تھے ؟
ج : نہیں ۔
س : آپ نے ۲۸ ۔ دسمبر کو لدھارام کو مزید رخصت دی ؟
ج : نہیں ۔ میاں عبدالقادر سپرنٹنڈنٹ نے دی تھی ۔
مسٹر سلیم : کیا آپ وہ بل لائے ہیں ؟ اگر لائے ہیں تو وہ پیش کریں ۔
گواہ نے پانچ بل پیش کیے ۔

دوسرے گواہ کا بیان

اسکے بعد سید مقبول حسین کانسٹیبل کا بیان ہوا جس نے کہا کہ ۲۸ ۔ جون ۱۹۳۹ء کو میں لالہ موسیٰ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے کے لیے گیا جلسہ لاری اسٹینڈ کے نزدیک ہوا میرے ساتھ دو کانسٹیبل اور تھے ۔ میں سید عطاء اللہ شاہ کو جانتا ہوں وہ عدالت میں موجود ہیں ۔ سید بخاری نے اپنی تقریر میں انگریزی حکومت بدلنے کے متعلق کہا تھا ۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ

کہ یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ ہماری بہنوں اور لڑکیوں کی شادی کے لیے قانونِ محمدی کو زیرِ غور نہیں لایا جاتا۔ انھوں نے خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی کے ساتھ گورنمنٹ کے تعلقات کے متعلق بھی کہا۔ تقریر اُردو اور پنجابی میں ملی جُلی تھی۔

لدھا رام نے تقریر کے نوٹ لیے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو پڑھ کر سنائے اور ہمارے دستخط لیے۔ گواہ کو شارٹ ہینڈ بک دکھائی گئی اور اس نے اپنے دستخط شناخت کیے۔ ہم پھر تھانے گئے اور لدھا رام شارٹ ہینڈ سے مفصل تقریر لکھنے لگا۔ اس نے تقریر لکھنے کے بعد مجھے پڑھ کر سنائی اور اس پر بھی میرے دستخط لیے۔ اس نے کاربن رکھ کر رپورٹ کی کئی کاپیاں تیار کیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کاربن کاپی جو میرے دستخط ہیں وہ واقعی میرے ہی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ نوٹ بک پر لانگ ہینڈ ترجمہ کیا گیا۔ جب رپورٹ تیار ہو گئی تو دوسرے دن ۲۹ دسمبر کو بذریعہ ڈاک متعلقہ افسروں کے پاس بھیج دی گئی۔ جلسے میں کوئی چار ساڑھے چار سو کے قریب آدمی تھے۔ گواہ کو رپورٹ دکھائی گئی اس نے شناخت کی یہ لدھا رام کی لکھی ہوئی ہے۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کرتے ہوئے پوچھا آپ کب سے پولیس

میں ملازم ہیں۔؟

ج: ۱۹۲۳ء سے۔

س: کیا آپ کو پہلے بھی کسی جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے؟

ج: کئی دفعہ۔ مگر بطور ڈیوٹی یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔

س: کیا اس جلسے کی شرکت کے لیے آپ کو کوئی حکم ملا؟

ج: کوئی حکم نہیں ملا۔

س: پھر آپ اس جلسے کے علاوہ کسی اور جلسے میں شامل ہوئے؟

ج: اس جلسے میں جس میں منشی احمد دین نے تقریر کی۔

س: یہ جلسہ کب اور کہاں ہوا؟

ج: بخاری صاحب کے جلسے کے بعد مئی میں غلہ منڈی لالہ موسیٰ میں۔

س: جس روز سید عطاء اللہ شاہ والا جلسہ ہوا اس روز کوئی اور بھی جلسہ ہوا؟

ج: ہاں اسی روز رات کو ایک اور جلسہ ہوا جس میں میں نہیں گیا۔

س: کیا لدھا رام اس جلسے میں موجود تھا؟

ج: ہاں وہ اس جلسے میں بھی موجود تھا۔

س: جن چار پیشیوں پر سید عطاء اللہ شاہ کا مقدمہ پیش ہوتا رہا آپ چاروں گواہ حاضر ہوتے رہے

ج: ہاں۔

لنچ کے بعد

لنچ کے بعد بھی سید مقبول حسین پر میاں عبدالعزیز نے جرح جاری رکھی۔

س: جب مختلف پیشیوں پر آپ چاروں گواہ اکٹھے ہوتے تھے تو آپس میں سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے؟

ج: ہاں۔

س: کیا تم ایک دوسرے کو یہ بھی یاد دلاتے تھے کہ شاہ صاحب نے فلاں بات کہی ہے اور فلاں نہیں؟

ج: ہاں۔ ہم ایک دوسرے کو تقریر کے متعلق یاد دہانی کرایا کرتے تھے۔

س: اگر کسی کو تقریر کا کوئی حصہ بھول جاتا تو آپ ایک دوسرے کو یاد کرایا کرتے تھے۔

ج: نہیں۔

س: کیا آپ اس جلسے سے پیشتر کسی جلسے میں گئے؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا منشی احمد دین کی تقریر کے نوٹ لیے تھے؟

ج: تقریر لدھا رام نے نوٹ کی تھی۔

س : کیا تمھیں منشی احمد دین کی تقریر کا کوئی حصہ یاد ہے ؟
ج : ہاں مجھے یاد ہے۔ منشی احمد دین نے کہا تھا کہ ہمیں ڈر ہے تو اپنے بھائیوں سے ورنہ سر سکندر اور سر چھوٹو رام کی گیدڑ بھبکیوں کا کوئی ڈر نہیں اور چند دن میں انگریز یہاں سے جاتے نظر نہیں آئیں گے۔
چیف جسٹس : یہ بالکل ٹھیک ہے انگریز یہاں سے نہیں جائیں گے۔
س : کیا تم یزید کے متعلق کچھ جانتے ہو؟ کیا یزید نے حسینؓ کو قتل کیا تھا ؟
ج : ہاں۔ یہ صحیح ہے۔
س : کوئی مسلمان پسند نہیں کرتا کہ یزید نے حسین کو قتل کیا۔
ج : نہیں پسند کرتا۔
چیف جسٹس : میرا خیال ہے کوئی مسلمان قتل کو پسند نہیں کرتا۔
س : ملزم کی تقریر پر کسی نے اعتراض کیا ؟
ج : میری موجودگی میں کسی نے اعتراض نہیں کیا۔
س : کیا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ ووٹ مجھے یا میرے آدمی کو دینا۔
ج : انھوں نے یہ نہیں کہا تھا۔
س : کیا انھوں نے یونینسٹ وزارت کے خلاف بھی کچھ کہا تھا ؟
ج : نہیں۔

س : کیا انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرو۔

ج : نہیں۔

س : کیا انھوں نے سر سکندر کا کوئی ذکر کیا؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا انھوں نے ٹوانوں یا نونوں کا ذکر کیا تھا؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا انھوں نے میجر خضر حیات کے متعلق کچھ کہا تھا؟

ج : ہاں۔ انھوں نے کہا تھا کہ انگریز کی جان کی قیمت تو سو روپے ہے مگر ہندوستانی کی ۷ یا ۱۸۔

س : کیا میاں عبدالحی وزیر تعلیم کا کچھ ذکر ہوا؟

ج : یاد نہیں۔

س : کیا سر چھوٹو رام کا کوئی ذکر ہوا؟

ج : یاد نہیں۔

س : کیا شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ موجودہ وزارت زمینداروں کا کوئی بھلا نہیں کرے گی بلکہ محض شیخی بگھارتی ہے۔

ج : یاد نہیں۔

س : کیا ملزم کی تقریر کے وقت ہندو مسلم اور سکھ موجود تھے؟

ج : ہاں۔

س : کیا کانگرس کے زیر اہتمام جلسہ تھا جس میں عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی۔

ج : مجھے معلوم نہیں۔

س : چیف جسٹس : اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جلسہ کس کے زیر اہتمام تھا اصل سوال تقریر کا ہے کہ ملزم نے قابلِ اعتراض تقریر کی۔

س : کیا ملزم نے کہا کہ سر سکندر حیات۔ احرار کو کچل رہے ہیں

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا آپ کو پتہ ہے کہ سید عطار اللہ شاہ احرار ہیں؟

ج : مجھے پتہ نہیں۔

چیف جسٹس : احرار کا کیا مطلب ہے؟

میاں عبدالعزیز : حریت و آزادی کا علمبردار۔

س : (گواہ سے) کیا تم سب نے شارٹ ہینڈ بک پر ایک ہی سیاہی سے دستخط کیے تھے؟

ج : پنسل سے دستخط کیے تھے۔

س : کیا ایسے ہی دستخط کرتے ہو جیسے ڈائری پر کیے ہیں؟

ج : میں دو تین طرح سے دستخط کرتا ہوں، سیدھے بھی اور شکستہ بھی۔

س : آپ تین مختلف طریقوں سے دستخط کیوں کرتے ہیں ؟

ج : اپنی اپنی طبیعت ہے جیسے بھی ہوں مگر جعلی نہیں (قہقہہ)

س : تمھاری کیا تعلیم ہے ؟

ج : پنجم یا ششم جماعت تک ۔

س : تم نے لدھارام کو ٹیلیفون کیا تھا ۔ اور کہاں سے ؟

ج : کیا تھا ۔ ڈاک خانہ سے ۔

س : ٹیلیفون کے لیے فوراً ادائیگی کی یا تھانہ میں بل آیا ؟

ج : نہ میں نے ادا کیا اور نہ معلوم تھانہ میں بل آیا ۔

س : کیا تم ٹرنک کال کو سمجھتے ہو ؟

ج : نہیں میں ٹرنک کال کو نہیں سمجھتا ۔

جسٹس رام لال : اس سے آپ کا کیا مطلب ہے ؟

میاں عبدالعزیز : میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ نہ تو جلسے میں موجود تھا اور نہ اس نے لدھارام کو ٹیلیفون کیا ۔

جسٹس رام لال : (گواہ سے) تم نے لالہ موسیٰ سے گجرات کو ٹیلیفون کس طرح کیا ؟

ج : ہم ڈاکخانہ والوں کو کہہ دیتے ہیں وہ نمبر ملا دیتے ہیں ۔

جسٹس : اس کے لیے تم کچھ ادا نہیں کرتے ؟

گواہ: نہیں۔

س: تم نے تقریر کے جو فقرے بیان کیے ہیں ان میں کون سے فقرے تمہیں کسی اور نے یاد کرائے؟

ج: اس طرح فقرے نہیں بتائے گئے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے کی غلطی کو صحیح کر دیتا تھا۔

اڈووکیٹ جنرل: کیا تم بتا سکتے ہو کہ لانگ ہینڈ کاپی کے ۷ اسے ۳۵ صفحات تک کس کی تحریر ہے؟

ج: لدھا رام کی

س: تم کتنے عرصے سے لدھا رام کی تحریر جانتے ہو؟

ج: تین چار سال سے۔

س: میاں عبدالعزیز سے: کیا آپ لدھا رام کی تحریر کے متعلق کر رجرح کرنا چاہتے ہیں؟

ج: میاں عبدالعزیز۔ نہیں۔

فیروز خاں پولیس کانسٹیبل

اس کے بعد تیسرے گواہ استغاثہ فیروز خاں کا بیان ہوا۔ جس نے مسٹر سلیم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: میں ۲۸۔ جون کو لالہ موسیٰ کے جلسے میں

جس میں سید عطاء اللہ بخاری نے تقریر کی ڈیوٹی پر موجود تھا مجھے اس تقریر کا کچھ حصہ یاد ہے۔ شاہ صاحب نے سب سے پہلے تلاوتِ قرآن کی اور تقریر کے وہی حصے دہرائے جو گواہ ملا نے اپنے بیان میں دُہرائے۔ گواہ نے مزید کہا کہ لدھا رام نے میرے سامنے اس تقریر کے شارٹ ہینڈ لیے اور جلسے کے اختتام پر اس نے یہ نوٹ ہمیں پڑھ کر اور اسی جگہ ہم سے دستخط لیے گواہ نے شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط شناخت کیے۔ مزید کہا کہ جلسے کے بعد تھانے پہنچ کر لدھا رام نے مفصّل رپورٹ تیار کی اور پھر اس شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر بھی اس نے تقریر کی مفصّل رپورٹ لکھی جس پر ہم سب نے دستخط کیے۔ اس کاربن کاپی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ان کو نقل کیا گیا کیونکہ میں سید عطاء اللہ شاہ کے پیچھے پیر غازی چلا گیا۔

گواہ پر جرح

میاں عبدالعزیز کے جواب میں گواہ نے کہا: شاہ صاحب نے دوسرے دن پیر غازی میں تقریر کی۔

س: کیا وہاں بھی ان کی تقریر کے نوٹ لینے کے لیے کوئی موجود تھا؟

ج: ہاں میں اور پٹواری تھے۔

س : کیا تم نے اس کی رپورٹ لی تھی ؟

ج : نہیں ۔ کیونکہ مقرر نے کوئی سیاسی تقریر نہیں کی تھی ۔

س : پیر غازی میں جو تقریر ہوئی کیا اس کا کچھ حصہ تمھیں یاد ہے ؟

ج : شاہ صاحب نے پیر غازی میں کہا تھا کہ میں وہابی نہیں ۔ کھاریاں میں میرے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط ہے ۔

س : کیا تم نے ۲۰ ۔ جون سے پہلے یا بعد کسی جلسے میں شرکت کی ۔

ج : نہیں ۔

س : کیا لالہ موسیٰ میں شاہ صاحب سکھ ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کی ؟

ج : ہاں ۔

س : کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ تم آئندہ انتخاب میں ووٹ مجھے یا میرے آدمیوں کو دینا ۔

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا تم کو یاد ہے کہ شاہ صاحب نے یونینسٹ منسٹری یا وزراء کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : شاہ صاحب نے کہا تھا یہ امیر المومنین سکندر اور امیر المومنین خضر حیات خاں بڑے آدمی ہیں ۔ وہ انگلستان سے چار چار ہزار روپے کے کتے خرید کر لاتے ہیں ۔

س: کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ چاروں وزراء زمینداروں کے خیر خواہ یا بد خواہ ہیں۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا شاہ صاحب نے کانگرس اور احرار کے متعلق کچھ کہا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

۱۲۔ مارچ کی کارروائی

آج پھر ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ مشتمل بر چیف جسٹس مسٹر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لال کے سامنے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ کل کی نسبت پولیس کا انتظام زیادہ کڑا تھا۔ کمرہ عدالت کے باہر ہزاروں آدمی پاس نہ ملنے کی وجہ سے کھڑے تھے۔

فیروز کانسٹیبل پر جرح

آج بھی میاں عبدالعزیز نے فیروز خاں گواہ استغاثہ پر جرح جاری رکھی ایک سوال کے جواب میں گواہ نے کہا جس جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی میں سید عطاء اللہ شاہ کی آمد سے پیشتر موجود تھا۔ رولدو سنگھ وتعدادار اور غلام حسین بھی موجود تھے۔ شاہ صاحب کی تقریر سے پیشتر ہمارے

درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میاں عبدالعزیز نے گواہ سے سوال کیا :

س : کیا ۱۱۔نومبر کو رپورٹ کی کاپی لدھا رام کے پاس تھی ؟

ج : ہاں ۔

س : تم کب سے پولیس میں ہو۔ کیا تنخواہ ہے اور کیا تعلیم ہے ؟

ج : ۷۔اپریل ۱۹۲۲ء سے پولیس میں ہوں ۔ ۲۲ روپے تنخواہ ہے اور پرائمری پاس ہوں ۔

س : کیا یہ امر واقعہ ہے کہ ۲۸۔جون ۱۹۳۹ء کو جو دستخط تمہارے کاپی پر ہیں ـــ وہ تم سے نہیں کرائے گئے ؟

ج : نہیں۔ میں نے ۲۸۔جون کو ہی دستخط کئے تھے ۔

س : کیا جلسہ گاہ سے اٹھنے کے بعد تم اور لدھا رام تھانے گئے ؟

ج : ہاں ۔

س : کیا تقریر کی لانگ ہینڈ کاپی تمہارے سامنے لکھی گئی اور اس پر تمہارے دستخط کب لیے گئے ۔

ج : ہاں میرے سامنے لکھی گئی۔ میرے دستخط ۶ اور ۷ کے درمیان لکھے گئے

س : تم کتنے طریقوں سے دستخط کرتے ہو ؟

ج : میرے دستخط پختہ نہیں ۔

س: کیا تم دو تین طریقوں پر دستخط کرتے ہو؟

ج: ہاں دو تین طرح کر سکتا ہوں۔

س: جس دن اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں تمہارا بیان ہوا کیا ہیڈ کانسٹیبل مقبول حسین کمرہ عدالت کے باہر موجود تھا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا تم مقدمے کے چاروں گواہ مختلف پیشیوں پر شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے؟

ج: ہاں۔ لیکن ہم صرف بحث کرتے تھے اور تقریر کے متعلق ایک دوسرے کی غلطیاں درست نہیں کرتے تھے۔

سب انسپکٹر نے کیا پوچھا

س: کیا اس مقدمے کی سماعت کے دوران کبھی سردار بھگت سنگھ سب انسپکٹر نے تمہیں بلایا؟

ج: پیشی کی تاریخوں میں ہم اس کے ساتھ ہوتے تھے۔

س: کیا اس نے شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق تم سے کچھ پوچھا؟

ج: ہاں۔ اور ہم نے اس کو بتایا کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں فلاں فلاں بات کہی تھی۔

س : کیا تمہیں شاہ صاحب کی ۲۰۔ جون کی تقریر کے متعلق سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے پیش کیا تھا۔

ج : نہیں۔

س : لالہ موسیٰ کے اس جلسے میں شاہ صاحب کے علاوہ حاضرین میں سے کسی اور کا نام یاد ہے۔

ج : ہاں۔ شیخ عبد العزیز صدر کانگرس کمیٹی لالہ موسیٰ۔ عبد القیوم آف لالہ موسیٰ۔ منشی غلام رسول اور اللہ دین ٹھیکیدار وغیرہ۔

س : کیا مذکورہ بالا معززین کو بھی تھانے میں بلایا گیا؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

رلدو سنگھ دفعدار کا بیان

چوتھے گواہ استغاثہ رلدو نے اپنے بیان میں کہا :

میں ۲۰۔ جون کو لالہ موسیٰ کے اس جلسے میں موجود تھا۔ جس میں شاہ صاحب نے تقریر کی۔ شاہ صاحب نے حاضرین سے پوچھا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے تخت پر کون بیٹھا تھا۔ حاضرین نے کہا بہادر شاہ۔ شاہ صاحب نے کہا تھا یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جائے اور وہ واپس لیں (قہقہہ) چیف جسٹس نے ایڈووکیٹ جنرل سے کہا کہ وہ اس فقرے

کا ترجمہ کر کے سنائیں مگر جسٹس رام لال نے خود ترجمہ کر کے سنایا۔

Muslims Have lost the Government,

it is regretable if got it Back.

اس پر عدالت میں پھر قہقہہ پڑا۔

جسٹس رام لال: تم نے کیا کہا ایک بار پھر دہراؤ؟

گواہ: میں نے کہا تھا کہ افسوس ہے حکومت مسلمانوں سے چھن گئی افسوس ہے کہ اب وہ پھر واپس لیں۔

مسٹر سلیم: مائی لارڈ! گواہ اس تقریر کے معنی نہیں سمجھتا۔

جسٹس رام لال: مگر وہ خود کہہ رہا ہے۔

میاں عبدالعزیز: جناب عالی یہ الفاظ ریکارڈ پر آجائیں۔

جسٹس رام لال: (گواہ سے) کیا ملزم نے اس پر بھی افسوس کیا کہ مسلمان اپنی حکومت واپس لیں۔

گواہ: ہاں جناب۔ اس نے یہی کہا تھا۔

چیف جسٹس: اور بتاؤ شاہ صاحب نے اور کیا کہا؟

گواہ: شاہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ تاریخ والوں نے یہ بات غلط لکھی ہے کہ عالمگیر اورنگ زیب ہندوؤں کے جسموں سے ہر روز سوا من جنیو اتارا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

مسٹر سلیم: اور کیا کچھ کہا؟

ج: اور کچھ نہیں مجھے یاد نہیں رہا۔

مسٹر سلیم: تم نے ابھی کہا ہے کہ شاہ صاحب نے کہا تھا کہ افسوس ہے مسلمان اپنی حکومت واپس لیں اس سے تمھاری کیا مراد ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

چیف جسٹس: مسٹر سلیم آپ یہ سوال کیوں کرتے ہیں۔ گواہ نے ہمارے سوال کرنے پر دو بار کہا ہے۔

مسٹر سلیم: مائی لارڈ گواہ اس کا مطلب بیان کر دے تو معاملہ صاف ہو جائے گا۔ (گواہ سے) اچھا تو بتاؤ شاہ صاحب نے جب اپنی تقریر میں یہ فقرے کہے تو تم نے اس کا کیا مطلب سمجھا۔

گواہ: شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں سے حکومت چھینی گئی ہے اب انھیں واپس لینی چاہیے۔

گواہ نے مزید بیان کیا کہ لدھارام نے تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے جلسے کے خاتمے پر پڑھ کر سنائے اور اس پر ہمارے دستخط لیے۔ گواہ نے شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط شناخت کیے (مزید کہا کہ لدھارام نے تھانے میں جا کر ایک اور کاغذ پر ملزم کی مفصل تقریر لکھی اور ہمارے دستخط لیے۔

گواہ پر جرح

میاں عبدالعزیز کی جرح کے جواب میں رولدو سنگھ نے کہا کہ میں پندرہ

سولہ سال سے دفعدار ہوں اور ۱۹ روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہوں۔ میں پولیس کے ماتحت کام نہیں کرتا۔ میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر تم نے اے ڈی ایم کی عدالت میں کہا ہے کہ میں پولیس کے ماتحت ہوں۔

چیف جسٹس: یہ سوال پوچھنے کا کیا فائدہ سب کوئی جانتا ہے کہ چوکیداروں کا پولیس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

جسٹس رام لال: ہاں عملی طور پر تو تعلق ہوتا ہے (قہقہہ)

میاں صاحب: مائی لارڈ! میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹا ہے اور اس کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی گواہ نے اسی مقدمے میں جو شہادت اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں دی اس میں اس کے برعکس بیان دیا۔ (یہ فقرہ میاں صاحب نے انگریزی میں کہا)

چیف جسٹس: آپ یہ سوال پوچھ سکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) تو بتائیے بھائی صاحب آپ پولیس کے ماتحت ہیں یا نہیں؟

ج: میں پولیس کے ماتحت نہیں ہوں۔

س: کیا تم کبھی پولیس کی طرف سے مقدمات میں پیش ہوتے رہے؟

ج: مجھے کچھ یاد نہیں

جسٹس رام لال: کیا تم نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی؟

ج: ہاں دی ہے مثلاً ایک شہزادہ آزاد کے مقدمے میں دوسری منشی احمد دین کے مقدمے میں۔

میاں عبدالعزیز: کیا تمھاری یہ شہادتیں گزشتہ دو تین ماہ میں ہوئی تھیں؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

چیف جسٹس: کیا احمد دین کے مقدمے کے سوا اور بھی کسی مقدمے میں گزشتہ دو تین ماہ میں شہادت دی ہے۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

چیف جسٹس: یاد نہیں کا کیا مطلب؟

ج: جناب میں نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی۔

مسٹر سلیم: یاد کر کے بتاؤ۔

ج: ہاں شہزادہ آزاد کے مقدمے میں شہادت دی تھی۔

شہزادہ آزاد کی تقریر

س: شہزادہ آزاد نے کہاں تقریر کی تھی اور کب؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا پچھلے دو تین ماہ میں آپ نے تین چار مقدمات میں شہادتیں دیں؟

ج : میں نے شاہ صاحب کے مقدمے کے سوا کسی میں بھی شہادت نہیں دی۔ شہزادہ آزاد اور منشی احمد دین کے مقدمے میں شہادت نہیں ہوئی۔

س : شہزادہ آزاد کی تقریر اسی دن کسی جلسے میں ہوئی تھی کہ نہیں

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : شہزادہ آزاد کی تقریر کے موقع پر کیا لدھا رام پولیس رپورٹر نے نوٹ لیے تھے؟

ج : ہاں۔

س : جس روز شاہ صاحب کی تقریر ہوئی کیا یہ درست ہے کہ اس روز آپ کے دستخط دو کاغذوں پر کرائے گئے

ج : ہاں دو کاغذوں پر کرائے گئے کسی تیسرے پر نہیں۔

س : کیا تم نے اے ڈی ایم کی عدالت میں بیان دیا تھا کہ میں نے تھانے میں صرف دستخط کیے تھے۔ ایک شارٹ ہینڈ نوٹ بک جو جلسہ گاہ میں تیار کی گئی تھی، اور دوسرے اس رپورٹ پر جو لدھا رام نے تھانہ میں تیار کی تھی۔ ج : ہاں یہ صحیح ہے۔

گواہ کے اپنے دستخط

س : کیا یہ دستخط آپ کے اپنے ہاتھوں سے ہیں؟

چیف جسٹس : اس سوال کی کیا ضرورت ہے ؟

میاں عبدالعزیز (انگریزی میں) مائی لارڈ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ دستخط اس گواہ کے اپنے نہیں ۔

چیف جسٹس : گویا جعلی ہیں ۔

میاں صاحب : جی جناب والا ! (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اصل شارٹ ہینڈ نوٹ پر اور تفصیلی لانگ ہینڈ رپورٹ دونوں پر آپ کے دستخط ہیں ۔ (گواہ کو دونوں کاغذات دکھائے گئے تو اس نے کہا کہ پہلے کاغذ پر میرے ہی دستخط ہیں ۔ مگر دوسرے پر جو دستخط ہیں ان میں "بقلم خود" والا حصہ میرا نہیں ۔ مجھے اس میں شک ہے ۔

س : اور آپ کا نام اپنا لکھا ہوا ہے ۔

ج : جی ہاں میرا لکھا ہوا ہے ۔

س : کیا دوسرے کاغذ پر جو دستخط ہیں وہ کاربن پیپر کی کاپی کی گئی ہے کہ نہیں ۔

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : ان دونوں دستخطوں میں فرق ہے کہ نہیں ؟

ج : میں نہیں کہہ سکتا ۔

س : آپ کتنے طریقوں میں دستخط کر سکتے ہیں ؟

ج: میں دو تین جماعتیں پڑھا ہوا ہوں۔

س: میں یہ پوچھتا ہوں آپ کتنے طریقوں سے دستخط کیا کرتے ہیں

ج: تین طریقوں سے۔

چیف جسٹس: اس سوال کا کیا مقصد ہے؟

میاں صاحب: میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ جھوٹے ہیں، ان کے دستخط جعلی ہیں۔ یہی مقدمہ ہے کہ اس میں گواہ ایسے ہیں جو مختلف طریقوں سے دستخط کرتے ہیں۔

چیف جسٹس: لیکن جعلی ہوں تو مقصد پورا نہیں ہوتا۔ پولیس کو کیا ضرورت ہے کہ ان گواہوں کے دستخط جعلی بنائے کیونکہ گواہ ہر وقت اسے مل سکتے ہیں۔

میاں صاحب: مگر جناب عالی گواہ لالہ موسیٰ کا ہے اور پولیس نے مقدمہ گجرات میں تیار کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گواہ مہیا نہ ہو سکا ہو۔

جسٹس رام لال: گجرات اور لالہ موسیٰ میں کتنا فاصلہ ہے؟

میاں صاحب: دس بارہ میل کا ہوگا۔ مگر ممکن ہے کہ گواہ حاضر نہ ہو سکا ہو۔ اور پولیس نے جعلی دستخط کر لیے ہوں۔

چیف جسٹس: آپ اس کو لمبا نہ کریں، کچھ اور پوچھیں۔

میاں عبدالعزیز: بہت اچھا جناب۔ (گواہ سے) لال بھائی صاحب

آپ نے ان کاغذوں پر جو دستخط کیے ہیں وہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سردار بھگت سنگھ کے مکان پر کیے۔

ج: یہ درست نہیں۔ میں نے دستخط تھانے میں کیے۔

س: کیا غلام حسین سفید پوش آپ کے جلسے میں پہنچنے سے پہلے موجود تھا یا نہیں؟

ج: وہ پہلے ہی سے جلسے میں موجود تھا۔

س: کیا اندھا رام بھی جلسے میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

ج: میرے پہنچنے کے بعد وہ پہنچا تھا۔

س: کیا شاہ صاحب جلسہ گاہ میں آپ کے پہنچنے سے پہلے موجود تھے؟

ج: نہیں۔ شاہ صاحب قرآن پاک کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔

س: آپ جلسہ گاہ میں کب پہنچے تھے۔

ج: ایک بج چکا تھا۔

س: ایک بجے سے چار بجے تک کیا ہوتا رہا۔

ج: ایک بجے سے چار بجے تک لوگ جمع ہوتے رہے۔ جب مجمع زیادہ ہوگیا تو شاہ صاحب نے قرآن شریف پڑھنے کے بعد تقریر شروع کی۔

س: آپ نے کہا کہ میرے پہنچنے سے پیشتر شاہ صاحب جلسے میں کھڑے

قرآن شریف کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بجے سے چار بجے تک ملزم وہیں رہا اور لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔

ج: یہ درست ہے۔

تقریروں اور تحریروں کا ذکر

اس کے بعد گواہ پر شاہ صاحب کی تقریر کے مضمون کے متعلق جرح ہوئی جس کے دوران میں اس سے میاں عبدالعزیز نے پوچھا۔

س: سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریریں . . . حبیب جسٹس: شاہ صاحب کا نام نہ لیں۔

میاں صاحب: بہت اچھا جناب: (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں انتخاب کا بھی ذکر کیا تھا۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا اس نے وزارت کے متعلق کچھ کہا تھا؟

ج: وزارت کیا ہوتی ہے؟

س: کیا آپ جانتے ہیں کہ پنجاب میں سر سکندر کی وزارت ہے۔ یعنی وہ وزیر ہیں۔

ج: ہاں وزیر ہوتے ہیں مگر مجھے معلوم نہیں کہ سر سکندر کون ہیں؟

س : کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں ؟

ج : وہ بڑے آدمی ہیں مجھے ان کا پتہ نہیں ۔

س : کیا تم نے ان کا نام سُنا ہے ؟

ج : ہاں سُنا ہے ۔

س : کیا سر چھوٹو رام اور میجر خضر حیات کا نام بھی سنا ہے کہ نہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا ۔

س : جسٹس رام لال : کیا آپ نے سر چھوٹو رام کا نام نہیں سنا ، کیا تم جانتے ہو وہ کون ہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا وہ کون ہیں ؟

س : کیا شاہ صاحب نے کہا تھا موجودہ وزارت کچھ کام نہیں کرتی اچھی نہیں ، اسے بدل دیا جائے ۔

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا ملزم نے احرار یا کانگرس کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا تم جانتے ہو کہ احرار کون ہوتے ہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا ۔

س : کیا تم " احراریوں کو جانتے ہو ؟

ج: ہاں یہ "احراری" میں جانتا ہوں۔
س: یہ جلسہ کس نے منعقد کیا تھا؟
ج: کانگرسیوں نے۔

ایک اور گواہ غلام حسین سفید پوش کا بیان

اس کے بعد استغاثہ کے ایک اور گواہ غلام حسین سفید پوش کی شہادت ہوئی۔ یہ ایک خوش پوش نوجوان تھا، اچکن اور طرّے دار پگڑی پہنے ہوئے تھا۔ اس سے مسٹر سلیم سرکاری وکیل نے کہا کہ تم اس جلسے میں موجود تھے جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں موجود تھا۔

مسٹر سلیم: شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا وہ عدالت میں بیان کر دو۔

گواہ: پہلے شاہ صاحب نے پوچھا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی کے تخت پر کون حکمراں تھا؟

جسٹس رام لال: کس سے پوچھا؟

ج: لوگوں سے پوچھا جنہوں نے جواب دیا کہ عالمگیر شاہ عالم بادشاہ اس پر شاہ صاحب نے کہا تھا کہ افسوس مسلمانوں کی حکومت انگریزوں نے

چھین لی ہے ان سے واپس لینی چاہیے۔ یہ تقریر لالہ موسیٰ میں ہوئی تھی۔

س: تقریر کے نوٹ کون لے رہا تھا؟

ج: لدھا رام رپورٹر لے رہا تھا۔

س: شاہ صاحب کی تقریر کا حاضرین پر کیا اثر ہوا؟

میاں عبدالعزیز: دوسروں کے متعلق گواہ کیا بتا سکتا ہے؟

س: اچھا میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ شاہ صاحب کی تقریر کا جلسے پر کیا اثر ہوا؟

ج: لوگوں نے انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے۔

س: اس نعرے کے کیا معنی ہیں؟

ج: مجھے معلوم نہیں۔

س: اس قسم کے نعرے کب لگائے جاتے ہیں، کیا سیاسی جلسوں میں لگائے جاتے ہیں۔

ج: ہاں سیاسی جلسوں میں لگائے جاتے ہیں؟

س: جسٹس رام لال نے وکلاء سے پوچھا: کہ اس نعرے کا انگریزی ترجمہ کیا ہے کسی نے نہ بتایا تو آنریبل جج نے خود ہی کہا کہ اس کے معنے Long Live Revolution ہی ہو سکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: گستاخی معاف مائی لارڈ! یہ ترجمہ درست نہیں۔

ٹیکنیکل ترجمہ تو یہی ہوگا۔ کہ تبدیلی زندہ رہے۔ انقلاب کے معنے -Revo
lution نہیں۔ یہ بالکل الگ چیز ہے۔
چیف جسٹس: سیاسی جلسوں میں ایسے نعروں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
میاں صاحب: ایسے نعرے مذہبی جلسوں میں بھی لگتے ہیں۔
چیف جسٹس: یقیناً آپ اپنے مذہب میں تبدیلی نہیں چاہتے۔
جسٹس رام لال: ہندوستان کے انتہا پسندوں کے نزدیک اس سے
کیا مراد ہے؟
میاں صاحب: آپ فارورڈ بلاک ہی کو لیجیے وہ اس قسم کے نعرے
لگاتے ہیں۔
جسٹس رام لال: وہ لوگ ایسے نعرے لگاتے ہیں؟
میاں صاحب: مگر جناب آج تک اس نعرے پر کسی کو مجرم نہیں گردانا
گیا۔ نہ ہی کسی پر مقدمہ چلایا گیا۔ ابھی کل ہی اس عدالت کے باہر احاطے
میں سینکڑوں آدمی یہ نعرہ بلند کر رہے تھے۔
چیف جسٹس: آپ اور سوال پوچھیے۔
میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) جلسے کے بعد لدھا رام نے جو نوٹ تقریر
کے لیے تھے اس پر آپ کے دستخط ہیں؟
ج: جی میں نے کیے تھے۔

س: آپ جلسے میں کیوں گئے تھے۔

ج: اتفاقیہ چلا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب کی تقریر ہونے والی ہے۔

س: آپ تھانے میں کب گئے تھے؟

ج: تقریر ہو چکنے کے بعد لدھا رام نے کہا تھا کہ تھانہ میں آنا دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کرانے ہیں۔ دس منٹ بعد میں وہاں گیا تھا اور دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کیے تھے۔

س: اس نئی کاپی کے نیچے کاربن پیپر رکھا گیا تھا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: ۲۸۔ جون کو لالہ موسیٰ میں کانگرس کے کتنے جلسے ہوئے تھے؟

ج: دو جلسے ہوئے تھے۔ پہلے جلسے ہی میں دوسرے جلسے کے ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔

س: دوسرے جلسے میں کس نے تقریر کی تھی؟ ان پر مقدمہ اسی تقریر کی بنا پر چلایا گیا تھا۔ میں نے شہادت دی تھی۔

س: کیا یہ شہادت آپ نے جہلم کی عدالت میں ۱۴۔ اکتوبر کو دی تھی؟ ج۔ جی ہاں۔

س: کیا اس شہادت کے وقت آپ سے سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر

کے متعلق کچھ سوالات کیے گئے۔ میاں صاحب نے گواہ سے پوچھا کہ کیا یہ فقرے تمہارے بیان میں سے ہیں کہ نہیں؟

ج: ہیں۔ میں نے ہی اس عدالت میں شہادت دی۔ جرح ابھی جاری تھی کہ عدالت لنچ کے لیے اٹھ گئی۔

لنچ کے بعد کی کارروائی

لنچ کے بعد کارروائی شروع ہوئی تو کمرۂ عدالت میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے گجرات، لالہ موسیٰ، جہلم، راولپنڈی اور بہت سے دور دور کے شہروں سے احراری کارکن اور دوسرے اشخاص آئے ہوئے تھے جنہیں داخلہ کا پاس نہ ملنے کی وجہ سے مایوس ہونا پڑا۔

میاں عبدالعزیز نے غلام حسین سفید پوش پر جرح جاری رکھی۔ ان کے سوال پر گواہ نے کہا کہ فیروز خاں، رلدو سنگھ اور میں نے آپس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمے کے متعلق عدالت میں شہادت دینے سے پہلے بات چیت کی تھی۔

س: کیا لدھارام بھی بات چیت میں موجود تھا۔

ج: ہاں وہ بھی موجود تھا۔

س: لدھارام کی طرف سے شاہ صاحب کی تقریر یاد دلانے سے پہلے

بھی آپ نے بات چیت کی تھی ؟

ج : میں لدھارام کے آنے کے بعد آیا تھا ۔

س : کیا آپ کو وہاں بلایا گیا تھا ؟

ج : وہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے ، میں بھی وہاں آ گیا ۔

س : تمھارے جانے سے پہلے اس مقدمے کے متعلق کوئی بات چیت ہوئی تھی ؟

ج : میں پہنچا تو بات چیت ہوئی ۔

س : کیا لدھارام نے ۱۱ ۔ نومبر کو آپ کے سامنے ملزم کی تقریر کا کوئی نوٹ یا کاغذ پڑھ کر سنایا ؟

ج : نہیں ۔

س : کیا آپ سب نے فیصلہ کیا تھا کہ تقریر کا کون سا حصہ آپ الگ الگ یاد کریں گے ۔

ج : لدھارام نے بتایا تھا کہ کون کونسا حصہ یاد کرے ۔

س : کیا اس نے بتایا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کا کون بادشاہ تھا ، اور لوگوں نے کہا بہادر شاہ ۔

ج : وہ ساری تقریر پڑھ کر سناتا گیا اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں ۔

س : جب تک لدھارام نے ۱۱ ۔ نومبر کو یہ تقریر پڑھ کر نہیں سنائی کیا آپ کو

اس بیان کے سوا جو آپ نے جہلم میں مسٹر سعد اللہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں دیا تھا کچھ اور یاد تھا۔

ج : نہیں۔ لدھا رام کے بتانے پر ہی مجھے یہ معلوم ہوا۔

س : کیا آپ نواب فضل علی ایم۔ ایل۔ اے گجرات کو جانتے ہیں ؟

ج : جانتا ہوں ، وہ میرے رشتہ دار ہیں۔

س : کیا ان کا لڑکا آپ کا دوست ہے ؟

ج : نہیں۔

س : کیا وہ آپ کا رشتہ دار ہے ؟

ج : ہاں رشتہ دار ہے (قہقہہ)

س : کیا آپ گجرات جائیں تو اس کے لڑکے کے پاس ٹھہرتے ہیں ؟

ج : نہیں ، ان کا لڑکا انبالہ رہتا ہے۔

س : کیا آپ انبالہ جاتے وقت اس کے ہاں ٹھہرتے ہیں ؟

ج : ہاں کبھی اتفاق ہو تو ٹھہرتا ہوں۔

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ نواب فضل علی یونینسٹ پارٹی کے سرکردہ ممبر ہیں

ج : وہ یونینسٹ پارٹی کے ممبر ہیں مگر میں نہیں جانتا کہ وہ سرکردہ ممبر ہیں۔

مسٹر سلیم کی درخواست

اس مرحلے پر مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے درخواست کی کہ اب ہمارے

صرف تین گواہ باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے لدھا رام بھی ایک ہے مگر وہ غائب ہے اس لیے قانون کے مطابق اس کے جو نوٹ عدالت میں موجود ہیں انھیں ہی اس کا بیان سمجھا جائے۔

چیف جسٹس: قانون کے مطابق یہ پوزیشن اس صورت میں قبول کی جا سکتی ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ گواہ کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ کیا سرکاری طور پر آپ کو یقین ہے۔ کیوں نہ مقدمے کو ملتوی کر دیا جائے تاکہ ملزم حاضر ہو سکے۔

مسٹر سلیم: اگر مقدمہ کے التوا کے بعد بھی حاضر نہ ہو؟

چیف جسٹس: مگر اس کا پتہ تو یہیں دیا گیا تھا کہ وہ لاہور میں اپنے کسی رشتہ دار بیندر ابن کے پاس دلشنو گلی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کا پتہ لگایا جائے۔ کسی کانسٹیبل کے ذریعے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

مسٹر سلیم: وہ عدالت میں حاضری سے چشم پوشی کر رہا ہے۔

چیف جسٹس: مگر اس کا پتہ تو لگنا چاہیے۔ کیا ہم ۱۵ دن کے لیے مقدمہ ملتوی کر دیں تو یہ مہلت کافی ہو گی۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

عنایت اللہ سب انسپکٹر کی جرح

اس کے بعد عنایت اللہ سب انسپکٹر سی آئی ڈی گجرات کی شہادت ہوئی

گواہ نے مسٹر سلیم کے دریافت کرنے پر بتایا کہ ۲۸۔جون کو شاہ صاحب نے جلسے میں تقریر کی تھی میں وہاں نہ جا سکا۔ کیونکہ میں بیمار تھا اس لیے اگلے جلسے میں گیا۔
شارٹ ہینڈ میں تقریروں کے جو نوٹ لیے جاتے ہیں ان کے لانگ ہینڈ نوٹ تھانے میں تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ عام رواج ہے۔ نوٹ بک سٹینو گرافر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور لانگ ہینڈ نوٹ تھانہ ہی میں رکھے جاتے ہیں سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق مجھے ذاتی علم ہے کہ لدھا رام اپنے ساتھ نوٹ بک لے گیا تھا۔ اور لانگ ہینڈ نوٹس کی ایک کاپی میں نے اپنے پاس دفتر میں بطور ریکارڈ رکھی۔ دوسری کاپی صدر میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوائی گئی۔ میں نے اس تقریر کا اصل مسودہ ۲۸۔جون کو دیکھا۔ اس روز شام کے وقت لدھا رام میرے پاس آیا تھا اور اس کی نقل دی۔
مسٹر سلیم ایک با اصل مسودہ پر دستخط تھے۔ اس مرحلے پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز نے عدالت سے درخواست کی کہ میرا یہ اعتراض نوٹ کر لیا جائے کہ اصل مسودہ اب بھی پیش نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی ثابت کیا گیا کہ اس نے اس مسودہ کو تباہ کر دیا ہے۔ اس لیے اصل مسودہ کے داخلۂ شہادت کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ عدالت نے یہ اعتراض نوٹ کر لیا۔ گواہ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لدھا رام اصل مسودہ میرے پاس میری ذاتی حفاظت میں چھوڑ گیا تھا۔ یہ مسودہ میرے پاس ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء

تک رہا۔ اس روز لدھا رام میرے پاس آیا اور یہ کہہ کر مجھے اس کی ضرورت ہے مسودہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

جسٹس رام لال: کیا آپ نے رسید لے لی ہے۔

ج: میں نے روزنامچہ میں اس کا اندراج کر لیا تھا۔ یہ اندراج خانہ ۴ میں کیا گیا۔ لدھا رام نے اس کے آگے میرے سامنے دستخط کیے۔ اس کی دو کاپیاں تھیں۔ میں نے لدھا رام کو کہا تھا کہ انھیں محرر کو دے دو تا کہ وہ صدر روانہ کر دے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایک کاپی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھیجی جاتی ہے۔ لوٹ بک جس میں تقریر کے نوٹ لیے جاتے ہیں وہ لدھا رام کے پاس ہی رہتی ہے۔ میں نے نوٹ بک نہیں دیکھی۔ تقریر کا اصل مسودہ جو لانگ ہینڈ میں تھا دیکھا تھا۔ اس پر عدالت میں پیش کردہ ایک مسودہ دکھایا۔ گواہ نے شناخت کر کے کہا کہ یہ اس اصل مسودہ کی کاپی ہے میں نے اصل پر دستخط کیے تھے اس لیے کاربن پر بھی دستخط آ گئے ہیں۔ یہ دستخط میرے ہی ہیں۔ یہ لانگ ہینڈ نوٹ میں نے خود نہیں پڑھے تھے بلکہ لدھا رام نے پڑھ کر سنائے تھے۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

س: کیا ۲۸۔ جون کی رات کو آپ نو یا دس بجے رات کسی جلسے میں

شامل ہوئے تھے۔

ج: ہاں میں نو یا ساڑھے نو بجے شامل ہوا تھا۔

س: آپ کو ایسی کیا بیماری تھی کہ تین گھنٹے میں آرام آگیا۔

ج: دردِ سر۔

س: کیا مقبول حسین آپ کو بتا کر جلسے میں گیا تھا؟

ج: نہیں میں اپنے گھر میں تھا۔ مزید جرح پر گواہ نے کہا کہ میرا گھر تھانہ کے احاطے میں ہی ہے۔ میں لدھا رام رپورٹر کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ ۲۸ جون کو ہمارے تھانے میں اقبال نام کا کوئی کانسٹیبل نہیں تھا۔ میں غلام حسین کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اس رات شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی۔ اس تقریر کی بنا پر شہزادہ کے خلاف جہلم میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اور میں اس مقدمہ میں بطور گواہ استغاثہ پیش ہوا تھا۔

س: لدھا رام نے اصل مسودہ کی جو کاپی لی تھی کیا آپ نے روزنامچہ میں اندراج کیا کہ وہ یہ مسودہ آپ کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

ج: نہیں۔

س: آپ کے پاس جو مفید دستاویزات دی جاتی ہیں کیا آپ اپنے افسروں کی اجازت کے بغیر کسی کو دے دیتے ہیں؟

ج: نہیں۔ لیکن چونکہ لدھا رام سپرنٹنڈنٹ پولیس کا اسپیشل خفیہ کانسٹیبل

تھا اس لیے میں نے اس پر اعتبار کیا۔

س: جب آپ کے پاس وہ یہ دستاویز چھوڑ گیا کیا وہ رسید لے گیا تھا؟

ج: محض اس کی آمد اور روانگی کا اندراج ہے۔

س: خانصاحب میرا سوال یہ ہے کہ اس دستاویز کے متعلق ۲۴ ستمبر کے سوا کوئی اور رسید بھی ہے؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ کو علم ہوا کہ ۲۴ ستمبر والی دستاویز گم ہو گئی؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ کو آج تک پتہ ہے کہ اصل مسودہ نہیں ملتا۔

ج: سنا ہے کہ لدھا رام نے اسے تلف کر دیا ہے۔

س: آپ کو یہ بات کس سے معلوم ہوئی۔

ج: جب میں اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوا اور لدھا رام کا بیان قلم بند کیا گیا تو مجھے معلوم ہوا۔ مزید جرح پر گواہ نے تسلیم کیا کہ میں نے آج تک سپرنٹنڈنٹ پولیس کو رپورٹ نہیں کی کہ لدھا رام رپورٹ لے گیا تھا۔

س: آپ کو عدالت میں کاربن والی کاپی دکھائی گئی ہے کیا آپ دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ کہاں کہاں پر دستخط ہیں؟

اس پر گواہ نے کاپی اٹھا کر دیکھی اور اپنے دستخط بتائے ۔ میاں عبدالعزیز کی درخواست پر یہ کاپی فاضل ججوں کو دکھائی گئی ۔ میاں صاحب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دستخط بالکل الگ اور خالی جگہ پر کیے ہوئے ہیں

س : آپ نے دستخط کب کیے تھے

ج : جب لدھارام شام کو میرے ڈیرہ پر آیا تھا یہ ۲۰۔ دسمبر کا دن تھا غالباً ۷½ بجے کا وقت تھا ۔

جسٹس رام لال : دستخط کیوں کیے تھے ۔

ج : لدھارام نے کہا تھا میں نے انہیں فارڈ کرنا ہے اس لیے دستخط کیے ۔

س : کاربن پر دستخط کیے تھے یا علیحدہ علیحدہ ۔

ج : علیحدہ علیحدہ دستخط کیے تھے پنسل سے ۔

س : اصل پر بھی دستخط کیے تھے ۔

ج : جی ہاں ۔

س : اس کے نیچے کیا تاریخ دی تھی ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : آپ کے دستخطوں کے نیچے کوئی تاریخ نہیں ۔ یہ آپ دیکھ لیں

ں مرحلے پر وکیل صفائی نے پھر گواہ کو کاربن دکھائی اور گواہ نے کہا کہ اس یرے دستخط پنسل سے معلوم ہوتے ہیں ۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے اعتراض کرتے ہوئے فاضل ججان
کی توجہ اس طرف دلائی کہ گواہ نے اپنے ابتدائی بیان میں کہا تھا کہ اس
کے یہ دستخط کاربن پیپر پر دستخط کا عکس ہیں ۔

جسٹس رام لال : یہ معمولی بات ہے ۔

مسٹر سلیم : لاپرواہی ہو سکتی ہے ۔

میاں عبدالعزیز : تو آپ کہہ دیں کہ گواہ لاپرواہ ہے ۔

گواہ : درحقیقت دستخطوں پر پسینہ لگ گیا تھا اور کچھ سرخی آ گئی تھی
اس لیے میں نے کہا تھا کہ دستخط کاربن پر کیے گئے تھے جن کا یہ عکس ہے ۔

س : کیا روزنامچے کا اندراج ٹھ اس تقریر کے متعلق ہے جو سید
عطاء اللہ شاہ بخاری نے کی تھی ۔ اور کیا آپ نے روزنامچے میں یہ بھی
لکھا ہے ۔

ج : ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق ہے

س : کیا موضع پیر غازی آپ کے تھانہ ہی میں ہے ۔

ج : ہاں ۔ مزید جرح پر گواہ نے کہا کہ ۲۸ ۔ جون کی شام کو یہاں
شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی ۔

اور یہ مجھے ڈائری دیکھنے سے معلوم ہوا تھا

س: لیکن اس میں لالہ موسیٰ یا پیر غازی کا کوئی ذکر نہیں۔

ج: وہاں میں خود گیا تھا۔

س: میرا یہ سوال نہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ روزنامچہ میں ان کا اندراج ہے یا نہیں۔

مسٹر سلیم کا اعتراض

مسٹر سلیم اڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل نے اس سوال پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وکیل صفائی روزنامچہ کے باقی حصوں کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟

میاں عبدالعزیز: میں باقی حصوں کا ذکر نہیں کر رہا۔ اس حصے کا اس سے تعلق ہے۔ چیف جسٹس کے کہنے پر یہ سوال دریافت نہ کیا گیا۔

س: کیا روزنامچے پر اندراج ۲۴ کے سامنے دو جگہ ۹ ۲ کے ہندسہ میں ۹ کا حصہ کاٹ کر ۸ بنایا گیا ہے۔

ج: نہیں غلطی سے ۲۹ لکھا گیا تھا جس کی تصحیح کی گئی۔ لہذا رام کے دباؤ سے پہلے غلط لکھا گیا۔

س: شہزادہ آزاد کے جس مقدمہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں ۳۔ اکتوبر کو آپ نے شہادت دی تھی۔ کیا وہ ۲۸۔ جون

کی تقریر کے متعلق تھا۔

ج: ہاں۔

س: کیا اس مقدمے کے متعلق بھی لدھا رام نے آپ کو کوئی کاپی دی تھی

ج: ہاں دی تھی

س: وہ کہاں ہے؟

ج: میرے پاس ہے وہ بھی لدھا رام ۲۴ ستمبر کو ساتھ لے گیا تھا اور اس کے متعلق اندراج کیا گیا تھا۔ اس مرحلے پر گواہ نے اندراج دیکھا اور پڑھ کر دیکھا کہ اس جگہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شہزادہ آزاد دونوں کی تقریروں کی کاپیوں کا مشترکہ اندراج تھا۔

س: آپ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں جو بیان دیا تھا اس میں کہا تھا یہ نقل ۲۹ جون کو لدھا رام نے آپ کو دی تھی۔ جو میں نے صدر تھانہ کو بھیجی، اس کے علاوہ کوئی دستاویز نہیں لی

س: شہزادہ آزاد کے مقدمے کے متعلق دستاویز کہاں تھیں؟

ج: مجھے یاد نہیں۔ اس مرحلے پر کارروائی یکم اپریل پر ملتوی ہوئی۔

(ماخوذ زمزم ۱۵ مارچ ۱۹۴۰ء۔ لاہور)

مسٹر لدھا رام کا بیان

ھائی کورٹ میں

لدھا رام کا بیان

لاہور یکم اپریل۔ آج تین ہفتے کے التوا کے بعد جب ہائیکورٹ میں آنریبل چیف جسٹس اور مسٹر جسٹس رام لال کے سامنے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ پیش ہوا۔ تو کمرۂ عدالت اور اس کے باہر بے پناہ ہجوم تھا۔ آج مقدمہ کے چیف گواہ لدھا رام سابق کانسٹیبل گجرات کی شہادت تھی۔ اس لیے احرار ورکروں کے علاوہ سرگودھا، گجرات۔ لالہ موسیٰ اور دوسرے شہروں سے بھی بے شمار اشخاص آئے ہوئے تھے۔ ساڑھے نو بجے کمرۂ عدالت میں داخل ہونے کے لیے پاس کی درخواستیں کرنے والے وزیٹروں کا اتنا ہجوم تھا کہ حکام کو پاس بند کرنے پڑے۔ کمرۂ عدالت کے اندر اور باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔

استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے۔ اور صفائی کی طرف سے دیوان چمن لال۔ میاں عبد العزیز بار ایٹ لا اور مسٹر کے ایل گابا پیروکار تھے۔ ان کے علاوہ مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے بار کے کئی سرکردہ ممبر بھی موجود تھے۔ احرار لیڈر بھی کمرۂ عدالت میں موجود تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی کار بھی جیل سے ۹ بج کر ۵۴ منٹ پر احاطۂ عدالت میں داخل ہوئی۔ احاطۂ عدالت میں لوگوں نے "سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ کارروائی ٹھیک دس بجے شروع ہوئی۔

مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ سابقہ پیشی کے بعد لدھا رام کے نام سمن جاری کیے گئے تھے۔ سمنوں کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ بہتیری کوشش کے بعد بھی پتہ نہیں چلا کہ لدھا رام کہاں ہے۔ اس پر میاں عبد العزیز وکیل صفائی نے آنریبل جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لدھا رام لاہور ہی میں ہیں۔ ابھی ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ انھیں احاطۂ عدالت میں دیکھا گیا۔ میں ابھی ان کا پتہ لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے آدمی کو بھیجا۔

چیف جسٹس: کیا آپ نے انھیں خود نہیں دیکھا ہے۔

میاں عبد العزیز: نہیں جناب، میں نے انھیں نہیں دیکھا جب

میں عدالت میں آیا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا لدھا رام آگیا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ وہ آگیا ہے اور احاطۂ عدالت میں اُسے دیکھا بھی گیا۔

اس پر فاضل جج ان نے لدھا رام کی آمد کا انتظار کیا۔ پانچ منٹ تک کمرۂ عدالت میں خاموشی چھائی رہی جس کے بعد آنریبل چیف جسٹس نے پھر میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے لدھا رام کی آمد کی اطلاع دی ہے؟

میاں عبدالعزیز: میرے ایک دوست سید مقسوم نے مجھے بتایا تھا، کہ دو اشخاص نے انھیں ابھی ابھی احاطۂ عدالت میں دیکھا ہے۔ میں ان میں سے ایک کو حاضر کرتا ہوں۔ مسٹر سلیم: کیا میرے دوست خود مسٹر لدھا رام کا پتہ لگانے کی کوشش کریں گے۔

مسٹر عبدالعزیز: یہ کانسٹبل کی ڈیوٹی مجھ پر نہیں لگائی جاسکتی (قہقہہ)

دس بج کر پندرہ منٹ میاں عبدالعزیز یہ کہہ کر میں خود ان دو اشخاص کو جنھوں نے لدھا رام کو دیکھا تھا۔ بلاتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ایک پولیس کانسٹبل کو ساتھ لے کر باہر گئے۔

کارروائی ملتوی کی گئی

اس مرحلہ پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ جب تک لدھا رام کے متعلق

کچھ پتہ نہیں لگتا۔ میری درخواست ہے کہ کارروائی ملتوی کی جائے۔

چیف جسٹس: یہ ٹھیک خیال ہے ہم نصف گھنٹے کے لیے کارروائی ملتوی کرتے ہیں۔ اگر اس دوران میں لدھا رام آجائے تو ہمیں اطلاع دی جائے۔ دس بج کر ۳۵ منٹ پر ایک بھورے رنگ کی کار احاطۂ عدالت میں داخل ہوئی۔ یہ کار عدالت کے عین سامنے جا کر رکی جس میں سے تین نوجوان اترے۔ اُن میں سے ایک لدھا رام تھا۔ اُسے دیکھتے ہی "لدھا رام زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ پولیس کو بڑی دقت پیش آئی کیونکہ ہجوم نے لدھا رام کو گھیر لیا تھا۔ پولیس نے ہجوم کو پرے ہٹایا اور لدھا رام کو پکڑ لیا۔ لدھا رام نے دونوں بازو پھیلائے ہوئے تھے۔ اور وہ پولیس اور ہجوم کو چیرتا ہوا کمرۂ عدالت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں کچھ کشمکش بھی ہوئی لیکن لدھا رام کو سیدھا اندر جانے دیا گیا۔

لدھا رام کا بیان

دس بج کر ۴۵ منٹ پر کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ سب سے پہلے لدھا رام کا بیان ہوا۔ لدھا رام قریباً ۲۴ سال کا مضبوط نوجوان ہے اس نے نسواری رنگ کا کوٹ، چوڑی دار پاجامہ اور گلابی رنگ کی قمیص پہنی

ہوئی تھی۔ پاؤں میں سفید کینوس کے بوٹ تھے اور چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ جب وہ کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو بہت سے نعرے بلند ہو رہے تھے اس لیے چیف جسٹس کو یہ کہنا پڑا کہ اگر ذرا بھی شور ہوا تو کمرۂ عدالت وزیٹروں سے خالی کرا دیا جائے گا۔ لدھارام ولد امیر چند نارنگ نے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ میری عمر قریباً چوبیس پچیس سال ہے۔ میں پہلے ملازم تھا اور اب مستعفی ہو چکا ہوں میں انگریزی جانتا ہوں لیکن بول نہیں سکتا۔

مسٹر سلیم: جب ۲۸۔ جون کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لالہ موسیٰ میں تقریر کی تھی کیا آپ وہاں موجود تھے؟

لدھارام: پولیس رپورٹر کی حیثیت سے۔

س: شاہ صاحب نے جو تقریر کی کیا آپ نے اس کے نوٹ لیے؟

ج: جی ہاں میں نے نوٹ لیے۔

س: لانگ ہینڈ میں نوٹ لیے یا شارٹ ہینڈ میں؟

ج: ورنیکلر شارٹ ہینڈ میں۔

س: کیا تم نے تمام تقریر کے نوٹ لیے تھے؟

ج: جو کچھ میں لکھ سکتا تھا لکھا۔

س: کیا تم تمام تقریر لکھ سکتے تھے۔ یا اس کا زیادہ حصہ؟

ج : میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا میں نے جو کچھ سمجھا وہ لکھا۔

س : جو کچھ آپ نے لکھا کیا یہ وہی تھا جو شاہ صاحب نے کہا تھا؟

ج : (کچھ دیر تک خاموش رہ کر) جب تک آپ اس سوال کو صاف نہ کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س : میرا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے جو کچھ کہا کیا وہی آپ نے لکھا تھا؟

ج : جو کچھ میں نے سمجھا کہ شاہ صاحب نے کہا ہے وہی میں نے لکھا۔

س : جب آپ نے یہ نوٹ لکھ لیے تو کیا آپ نے کسی سے دستخط کرا لیے تھے؟

ج : جی ہاں میں نے غلام حسین، رولد سنگھ (تیسرا نام ذرا سوچ کر) مقبول حسین شاہ اور فیروز خاں پولیس کانسٹبل کے دستخط کرا لیے تھے۔

س : کیا اس کے بعد ان شارٹ ہینڈ نوٹوں کے آپ نے اسی وقت لانگ ہینڈ نوٹ بنائے۔

ج : اسی وقت نہیں۔

س : تو کب آپ نے لانگ ہینڈ نوٹ تیار کئے؟

ج : گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے گھر آ کر لونگ ہینڈ نوٹ لکھے اور اسے دے دیئے۔

س : کس تاریخ کو لکھے؟

ج : جس دن تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے اس رات اور دن کے بعد میں نے ۲۸۔ جون کو لالہ موسیٰ میں نوٹ لیے تھے، رات بھر میں لکھا ۲۹ کو بھی وہیں رہا۔ ۳۰۔ جون کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پیش کیے۔

س : چیف جسٹس : کس جگہ پیش کیے۔

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر تقریباً دوپہر کے بعد۔

س : یہ لانگ ہینڈ نوٹ علیحدہ کسی کاغذ پر لیے یا اسی نوٹ بک میں جس میں شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے۔

ج : علیحدہ کاغذ پر لکھ کر اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دیا۔

س : کیا وہ ترجمہ جو آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ سے لانگ ہینڈ نوٹ میں کیا درست تھا؟

ج : شارٹ ہینڈ نوٹوں کے مطابق لانگ ہینڈ نوٹ بالکل درست تھے

س : جس نوٹ بک میں آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے اس میں کوئی خالی صفحہ بھی رکھا۔

ج : میں دونوں طرف نوٹ لکھتا گیا۔

س : کیا آپ عام طریقے پر اسی طرح شارٹ ہینڈ نوٹ لیتے تھے؟

ج : عام طور پر دونوں طرف نہیں لکھا جاتا کسی جگہ درمیان میں خالی

صفحے چھوڑ دیے جاتے ہیں کسی جگہ نہیں۔

س: آپ کتنے عرصے سے رپورٹنگ کر رہے ہیں؟

مسٹر جسٹس رام لال: آپ یہ سوال کس لیے دریافت کر رہے ہیں

ج: مسٹر سلیم: اس لیے کہ اپنے پہلے سوال کا ٹھیک جواب حاصل کروں

یہ کہہ کر آپ نے پھر سوال دُہرایا۔

لدھا رام: میں قریبًا ایک سال سے رپورٹنگ کر رہا ہوں۔

مسٹر سلیم: کیا تم نے اس سے پہلے بھی کسی جلسے میں نوٹ لیے؟

ج: جی ہاں میں نے کئی جلسوں میں نوٹ لیے۔

س: جب آپ دوسروں کے نوٹ لیتے تھے تو صفحے کے ایک طرف لکھتے تھے یا دونوں طرف؟

ج: اگر اچھا اور ایسا مقرر ہوتا جو عام طور پر مشہور ہوتا اور یہ خیال ہوتا کہ وہ ایسی تقریر کرے گا جو قابلِ اعتراض ہوگی تو جگہ چھوڑ دیتے تھے۔

چیف جسٹس: مسٹر سلیم آپ سادہ اور مختصر سوال کیوں نہیں کرتے؟ جس سے سارا جواب مل جائے۔

مسٹر سلیم: میرا مطلب یہ ہے کہ جب آپ دوسری تقریروں کے معاملے میں کہیں جگہ چھوڑ لیتے تھے تو اس کا خاص سبب ہوتا تھا۔

ج: جی ہاں شارٹ ہینڈ نوٹوں کے ساتھ کئی دفعہ لونگ ہینڈ نوٹوں کے

لیے علیحدہ کاغذ چھوڑ دیا جاتا۔ تاکہ جب مقدمہ پیش ہو تو یادداشت ہو سکے۔

چیف جسٹس: تم جو شارٹ ہینڈ ایک صفحے پر لیتے تھے۔ کیا اس کے لونگ ہینڈ نوٹ اس جگہ پر جو خالی چھوڑ دی جاتی تھی آجاتے تھے۔

ج: سارے نہیں آجاتے تھے۔ بلکہ ہم ضروری حصے لکھ لیتے تھے تاکہ انھیں یاد رکھ سکیں۔

مسٹر سلیم: آپ نے کہا ہے کہ کئی حالتوں میں آپ خالی صفحے چھوڑ دیتے تھے اس کا کیا سبب تھا؟

ج: جب ہمیں پتا لگ جاتا تھا کہ گورنمنٹ نے مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی ہے تب جگہ خالی چھوڑ لیتے تھے۔

مسٹر سلیم: میرا سوال یہ ہے کہ جن تقریروں کے نوٹ لیتے وقت آپ نے خالی صفحہ نہیں چھوڑا۔ اس کا سبب کیا ہے؟

ج: جن حالتوں میں تقریریں قابلِ اعتراض ہوتی ہیں اُن میں ہی خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

س: جگہ چھوڑنے کا فیصلہ آپ تقریر کے نوٹ لیتے وقت کرتے تھے یا بعد میں؟

ج: تقریر کے دوران میں ہی جب اس نتیجے پہ پہنچیں۔

چیف جسٹس: اب سوال یہ ہے کہ جب آپ لالہ موسیٰ میں پہنچے تو کیا آپ

کا خیال تھا کہ شاہ صاحب قابلِ اعتراض تقریر کریں گے

لدھارام: نہیں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ قابلِ اعتراض تقریر کرے گا یا نہیں۔

مسٹر سلیم: (ایک نوٹ بک جو کمرۂ عدالت میں موجود تھی گواہ کو دکھا کر) اس کتاب کے ۱۶ سے ۴۳ صفحات تک جو شارٹ ہینڈ نوٹ درج ہیں وہ کیا تمھارے لکھے ہوئے ہیں؟

لدھارام: یہ بھی میرے لکھے ہوئے ہیں۔

س: جو کچھ آپ نے لانگ ہینڈ میں لکھا کیا وہ اس شارٹ ہینڈ کا ترجمہ ہے

ج: جی ہاں اس کتاب میں جو شارٹ ہینڈ نوٹ ہیں ان کے مطابق لانگ ہینڈ نوٹ درست ہیں۔

س: کیا آپ نے سارے کے سارے شارٹ ہینڈ نوٹوں کا ترجمہ لانگ ہینڈ نوٹوں میں کیا تھا؟

چیف جسٹس: یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسٹر سلیم: یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط۔ اس مرحلے پر پھر مسٹر سلیم نے یہی سوال دریافت کیا۔

لدھارام: جی ہاں جو کچھ میں نے شارٹ ہینڈ میں لکھا ہے اس کا ترجمہ سارے کا سارا لانگ ہینڈ نوٹوں میں کیا۔

مسٹر سلیم: کیا یہ وہی شارٹ ہینڈ نوٹ ہیں جو آپ نے لالہ موسیٰ میں
۲۸- جون کو ملزم کی تقریر کے لیے تھے ؟
لدھارام: یہ وہ نوٹ ہیں جو میں نے جلسے میں لیے تھے۔

جرح کی اجازت

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ مجھے گواہ پر جرح کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے اعتراض کیا کہ اس مرحلے پر کوئی وجہ نہیں کہ گواہ کو منحرف قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سچ بول رہا ہے۔ فاضل جج ان نے فیصلہ کیا کہ ایڈووکیٹ جنرل کو جرح کرنے کا حق ہے۔ میاں عبدالعزیز سے انھوں نے کہا کہ کسی گواہ کے منحرف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ایک سچے گواہ کو بھی منحرف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس نے استغاثہ کی مرضی کے مطابق بیان نہیں دیا۔ خواہ استغاثہ جھوٹا ہے یا سچا۔
مسٹر سلیم نے گواہ پر جرح شروع کی۔

س: یہ شارٹ ہینڈ نوٹ آپ نے کہاں لیے؟ جو آپ کہتے ہیں کہ اصلی نوٹ نہیں ہیں؟

ج : میں نے لالہ موسیٰ سے واپسی پر گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر یہ شارٹ ہینڈ نوٹ لکھے جو مجھے دکھائے گئے ہیں ۳۰ جولا[ئی] کو جب میں نے یہ نوٹ لکھے تو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر ایک اد[ر] آدمی راجہ خاں نائب محرر لالہ موسیٰ پولیس اسٹیشن بھی موجود تھا ہم تینوں وہاں موجود تھے۔ راجہ خاں، میں اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر تینوں موجو[د] تھے۔

س : آپ نے ان نوٹوں کی کہیں سے نقل کی یا کسی نے لکھا ہے؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر صاحب جو کچھ مجھے لکھاتے رہے ہیں اسی کو شارٹ ہینڈ میں لکھتا گیا۔ میں پہلے لانگ ہینڈ ترجمہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا چکا تھا۔ اسی کو دیکھ کر اس میں تبدیلیاں کر کے وہ مجھے لکھاتے ر[ہے]

س : کیا ان تبدیلیوں کے متعلق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اپنے پاس نوٹ لکھ کر رکھے ہوئے تھے۔ یا وہ زبانی تبدیلیاں کر لیتے جاتے تھے۔

ج : اس وقت میرے لانگ ہینڈ نوٹس کے علاوہ اور بھی ایک کاغذ تھا۔ لیکن مجھے یہ نہیں دکھایا گیا کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا تھا لیکن اتنا نظر آ رہا تھا کہ اس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ دوسری طرف سے انگریزی کے ٹائپ شدہ حروف نظر آ رہے تھے۔ لکھاتے وقت وہ دوسرے کاغذ کی طرف بھی دیکھتے جاتے تھے۔ شارٹ ہینڈ کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے

مکان پر لانگ ہینڈ بک ترجمہ بھی لکھا۔ لانگ ہینڈ ترجمہ علیحدہ کاغذ پر بھی لکھا۔ اسی دن پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر نوٹ بک پر لانگ ہینڈ لکھنے کے بعد علیحدہ کاغذ پر لانگ ہینڈ ترجمہ کی نقل کی۔ دوسری دفعہ جب لانگ ہینڈ کی نقل کی گئی۔ تو کاربن پیپر کے ذریعے دو کاپیاں بنائی گئیں۔ ایک اصل اور دو کاربن والی کاپیاں۔ دوسری نوٹ بک پر جو بعد میں تیار کی گئی میرے سامنے گو انہوں نے دستخط نہیں کیے۔ اصل نوٹ بک جس میں جلسے کی تقریر کے نوٹ تھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے سامنے میز پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ شارٹ ہینڈ نوٹ اور لانگ ہینڈ ترجمہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے سامنے چھوڑ گیا تھا۔

نوٹ بک جلادی گئی

اصلی شارٹ ہینڈ نوٹ بک میرے سامنے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر جلادی گئی۔ اور اصلی نوٹوں کے لانگ ہینڈ نوٹوں کے ترجمے کو بھی میرے سامنے جلا دیا گیا۔ یہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کا رہائشی مکان تھا۔ میٹنگ سے پہلے ہی مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ پیر غازی میں جس تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے مقصود ہیں ان نوٹوں کے درمیان وقفے چھوڑ دینا۔ ہدایات کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ پنجاب کے وزیر اعظم کی

ایک چٹھی سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کو موصول ہوئی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری آپ کے علاقے میں آرہا ہے۔ وہ یونینسٹ پارٹی کے خلاف منافرت پھیلانے آرہا ہے۔ اس کی تقریر اس طریقے پرلی جائے کہ دفعات ۳۰۲ - ۱۱۷ اور ۱۵۳ کی زد میں آجائے۔ تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے پر ایسے شخص کو لگایا جائے جو تعلیم یافتہ ہو اور گواہ ایسے ہونے چاہئیں جو پولیس کے زیر اثر ہوں۔

ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ایک چٹھی ایسی تھی جس پر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے دستخط کرائے۔ وہ چٹھی ہدایات سے متعلق تھی۔ اور دستخط اس لیے کرائے تھے کہ بعد میں میں یہ نہ کہہ سکوں کہ ہدایات نہیں ملی تھیں۔ جس خط پر وزیر اعظم کی ہدایات تھیں وہ مجھے نہیں دکھایا گیا تھا۔ پہلی دفعہ مجھے ۲۸ جون سے دو تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئی تھیں۔ ۲۸ جون کو جب میں تقریر کی رپورٹ کے لیے لالہ موسیٰ روانہ ہونے والا تھا تو مجھے بلا کر کہا گیا کہ تقریر کی رپورٹ جلد از جلد لے کر شارٹ ہینڈ نوٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا دوں جب دو یا تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئیں اس وقت مجھے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بلایا تھا۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس انگریزی میں بات کرتے تھے۔ تھوڑی بہت انگریزی میری سمجھ میں آتی تھی باقی نہیں آتی

آتی تھی۔ پھر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے ایس۔پی کی موجودگی میں ہدایات دیں کہ پیر غازی (لالہ موسیٰ) میں میٹنگ ہونے والی ہے وہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کرنے والے ہیں، اس کی تقریر کے شارٹ ہینڈ لیتے وقت خالی جگہیں چھوڑتے جانا۔

س: کیا اس وقت آپ کو بتایا گیا کہ شارٹ ہینڈ نوٹوں میں جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں؟

ج: اس وقت تک مجھے نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں۔ لیکن یہ بات تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ پولیس سمجھ چکے تھے تو مجھے ہدایات دی گئیں۔ پیر غازی میں جو جلسہ ہونے والا ہے اس کے نوٹوں میں خالی جگہ رکھی جائے۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ جگہ شارٹ ہینڈ نوٹوں میں چھوڑنی تھی۔

س: کیا یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ جہاں آپ کا خیال ہو جگہ چھوڑ دو یا کوئی خاص جگہ چھوڑنے کے لیے کہا گیا تھا۔

ج: کہیں ایک لائن کہیں دو لائنیں۔

س: میرا یہ سوال ہے کیا یہ قطعی سہولت دی گئی تھی کہ کس طرح جگہ خالی چھوڑی جائے

ج: نہیں۔ خاص طریقے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔

س : یہ ہدایات کس کی تقریروں کے متعلق تھیں ۔

ج : سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق ۔

س : تقریر کہاں کرنی تھی ؟

ج : پیر غازی میں ۔

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کو جگہ چھوڑنے کے متعلق کیوں ہدایت کی گئی تھی ؟

ج : مجھے پتہ نہیں ۔

س : آپ کو پتہ نہیں تھا اور آپ نے کسی سے خیال بھی ظاہر نہیں کیا ۔ ج : نہیں ۔

س : آپ قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے ۔

ج : قیاس تو ہر شخص کر سکتا ہے ایک معمولی سا ملازم بھی ۔

عدالت سے تحفّظ کی درخواست

س : کیا پہلا موقع تھا جب آپ نے اس طرح جگہ خالی چھوڑی ؟

لدھا رام : اگر عدالت مجھے تحفظ دے تو میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں ۔

چیف جسٹس : آپ کو تحفظ دی جاتی ہے لیکن اگر ہمیں خیال ہوا

کہ آپ کا جواب غلط ہے تو مقدمہ چل سکتا ہے اگر درست ہو تو نہیں

لدھارام : میری غرض یہ ہے کہ میں جن واقعات کے متعلق جواب دوں گا اس میں مقدمہ چل کر سزا ہو سکتی ہے۔

مسٹر سلیم : مائی لارڈ میری درخواست ہے کہ یہ کارروائی میں لکھا جائے کہ گواہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس سوال کا جواب دے۔ اس میں سب کچھ آ جاتا ہے۔

میاں عبدالعزیز : لیکن اس صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گواہ جواب دینے سے انکار کر دے۔

چیف جسٹس : محض یہ سوال دریافت کیا جائے کہ کیا گواہ کو پہلے بھی یہ ہدایت ملی تھی :

مسٹر سلیم نے یہی سوال کیا جس کے جواب میں گواہ نے کہا : کہ مجھے اس سے پہلے بھی اسی طرح ہدایات ملی تھیں۔

سلیم : آپ کو ہدایت کب ملی تھی اس مرحلے پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز نے درخواست کی کہ اس سوال کے جواب میں گواہ کو تحفظ دیا جائے

چیف جسٹس : یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ گواہ پہلے کہہ چکا ہے کہ اسے پہلے بھی ہدایات ملتی رہی ہیں۔

میاں عبدالعزیز: لیکن اس معاملہ میں گواہ کو ضرور تحفظ ملنا چاہیے۔
چیف جسٹس: صرف اس خاص سوال کے جواب میں تحفظ دیا جائے گا۔
مسٹر سلیم: (گواہ سے) سید بخاری کے جلسے کے متعلق آپ کو جو ہدایات دی گئی تھیں۔ کیا اس وقت بھی کوئی چٹھی آتی تھی۔
ج: چٹھیاں تو کئی آتی رہتی ہیں۔
مسٹر جسٹس رام لال: کیا اس خاص جلسے کے متعلق کوئی چٹھی دکھائی تھی؟ لدھارام: جی ہاں۔
مسٹر سلیم: اصلی چٹھی دکھائی گئی تھی یا اس کی نقل۔
ج: اس کا ترجمہ کیونکہ اس پر لکھا ہوا تھا یہ بہت خفیہ ہے ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا۔ میں نے اصلی خط نہیں پڑھا بلکہ نقل جو سپرنٹنڈنٹ پولیس کا ریڈر اپنے رجسٹر میں درج کرتا ہے وہی پڑھی۔ مسٹر سلیم: رجسٹر میں جو درج تھا اس میں کیا لکھا تھا؟
ج: مجھے یاد نہیں رہا جو کچھ مجھے یاد ہے وہ کہہ چکا ہوں اور وہ یہ کہ جگہ خالی رکھی جائے اور تقریر کے نوٹوں کی ایک کاپی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دی جائے۔
مسٹر جسٹس رام لال: کیا سارا رجسٹر پڑھا تھا یا محض وہ نقل۔
ج: ترجمہ جو کچھ تھا وہ پڑھا اور اس خط کے نمبر بھی علیحدہ نوٹ کر لیے

ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا: کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ مستقبل میں اپنی رہنمائی کے لیے لکھا تھا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے یہ نقل رپڈر کے ذریعے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی اجازت سے لی تھی۔ اور میں اسی طرح اکثر نقل لیا کرتا تھا۔

چیف جسٹس: آپ نے جس تحریر کی نقل لی تھی وہ بہت تھوڑی تھی یا زیادہ۔

گواہ: کچھ خط تھے جن پر تھوڑی تھوڑی عبارت تھی۔

چیف جسٹس: دس دس سطریں یا بیس بیس سطریں تم نے کتنی دیر میں نقل کی۔

لدھا رام: تین چار منٹ میں۔ میں نے پیر بخاری کے جلسے کے متعلق ہدایات نقل کیں۔

چیف جسٹس: کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس اس وقت موجود تھے؟

گواہ: وہ دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔

سلیم: مطلب یہ ہوا کہ بعض اوقات نقل کرتے وقت سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود ہوتے تھے اور بعض اوقات نہیں۔

گواہ: کئی اوقات رپڈر کو ہدایت کی جاتی تھی کہ دوسرے کمرے میں لے جائے۔

خفیہ رجسٹر

چیف جسٹس: یہ رجسٹر بہت خفیہ ہے۔

گواہ: جی ہاں۔

چیف جسٹس: اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو نہیں بتایا جاتا تھا۔

گواہ: جس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی اُسے بتا دیا جاتا تھا۔

چیف جسٹس: سوال یہ ہے کہ ایک سترہ روپیہ ماہوار تنخواہ پانے والے کانسٹیبل کو سپرنٹنڈنٹ پولیس وہی خفیہ تحریریں کیونکر دکھا سکتے ہیں ــ گواہ: میں چند اور باتیں بھی اس سلسلے میں بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ کام میں نے کرنا تھا۔

سلیم: آپ نے کہا تھا کہ آپ نقل کرتے وقت نمبر بھی نقل کر لیتے تھے۔ یہ کیوں؟

گواہ: اس کے متعلق نقل کرتے وقت کوئی خیال نہیں ہوتا۔

س: جو نقل آپ کے پاس تھی اس کے متعلق آپ کو ہدایت تھی کہ اسے محفوظ رکھا جائے یا نہیں۔

ج: اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ جب تم نقل کر لیتے تھے تو کیا یہ بتلایا جاتا تھا کہ اسے جس طرح چاہو استعمال کرو اسے اپنے پاس رکھو یا نہیں۔

میاں عبدالعزیز : (اٹھ کر) اس وقت گواہ ان کے اعتماد میں تھا۔

گواہ : جو کچھ میرے متعلق لکھا ہوتا تھا اس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی۔ کہ اپنی یادداشت کے لیے نقل کر لو۔

س : جب آپ کو چٹھی دکھائی جاتی تھی یا ہدایت دی جاتی تھی۔ تو ہمیشہ اس کی نقل دی جاتی تھی۔

ج : میں ہمیشہ نقل کر لیتا تھا۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ میں نقل اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور محفوظ رکھتا تھا۔

لکڑی کا بکس

مسٹر سلیم : تو ہم فرض کرتے ہیں کہ کئی مقامات کے متعلق بھی ہدایات کی نقلیں آپ کے پاس ہوں گی۔

ج : جی ہاں میرے پاس پولیس اسٹیشن گجرات میں ہیں جنھیں میں اپنے رہائشی کوارٹر میں اپنے ایک صندوق میں چھوڑ آیا ہوں۔

چیف جسٹس : اسے تالا لگایا۔

گواہ : تالا لگایا تھا مگر وہ پہلے سے ہی خراب تھا، قریباً تین چار ماہ

پہلے سے۔

چیف جسٹس: کیا ان کاغذات کو خفیہ رکھنے کیلئے بکس ملا تھا۔

گواہ: جی ہاں۔ گواہ نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس صندوق میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس تھا جس میں وہ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی چابی ابھی تک میرے پاس ہے۔ چیف جسٹس: لاؤ دیکھیں۔ لدھا رام نے اپنی جیبیں ٹٹولنے کے بعد کہا کہ میں نے اپنی تمام چابیاں اپنے ایک دوست خواجہ کو دی ہوئی ہیں وہ یہیں موجود تھے اس کے بعد خواجہ کو (جس کا پہلا نام گواہ نہیں جانتا تھا) بلایا گیا۔ اس نے چابیاں گواہ کو دیں۔ گواہ نے چابیاں چیف جسٹس کو دے دیں اور اس بکس کی چابی بتائی۔ گواہ نے یہ بھی بتایا کہ خواجہ سے میری گزشتہ پندرہ بیس دن کی واقفیت ہے۔ مزید کہا کہ جلال الدین ہیڈ کانسٹیبل کے پاس بھی اس بکس کی اسی طرح چابی ہے۔ اس کے بعد گواہ کو کچھ دستاویزات دکھائی گئیں۔ انھیں دیکھ کر گواہ نے ایک پیرا دیکھ کر کہا کہ یہ پیرا میں نے رجسٹر سے نقل کیا تھا۔

مسٹر سلیم: اس سے پہلے جو سی آر پی لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

گواہ: مجھے معلوم نہیں۔

چیف جسٹس: شاید اس کا مطلب کانفیڈنشیل رپورٹ آف پولیس ہے۔

خفیہ جھوٹ

مسٹر سلیم: کسی پرسی ایل پی لکھا ہوتا ہے۔
چیف جسٹس: (ازراہ مذاق) کانفیڈنشل لائز (جھوٹ) ہو سکتا ہے
(قہقہہ) اس مرحلے پر چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے کہا کہ آپ اپنی جرح میں اس بات کو ضرور صاف کیجئے کہ اس قدر خطرناک اور کانفیڈنشل ہدایات کو ایک سترہ روپے کے کانسٹیبل کو نقل کر کے ساتھ لے جانے کی اجازت کس طرح دی گئی ہیں اس کا یقین نہیں ہوتا۔ میاں عبدالعزیز نے کہا۔ مائی لارڈ میں اس بات کا خیال رکھونگا گواہ نے مسٹر سلیم کی مزید جرح کے جواب میں کہا کہ ۲۹ جون کو میں ہدایت حاصل کر کے بیرغازی والی تقریر کے نوٹ لینے گیا تھا۔ ہدایات مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے دی تھیں گجرات میں ہدایات دی گئی تھیں۔ ایس پی اپنے کمرے میں ہوگا لیکن اس وقت ہم دونوں کے سوائے کوئی وہاں موجود نہ تھا اس وقت مجھے یہی ہدایات دی گئی تھیں کہ تقریر کے نوٹ لیتے ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس واپس آنا۔ اس کے علاوہ اس دن کوئی مزید ہدایات نہیں دی گئی تھیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ تقریر Fabricate ہوگی۔ کیونکہ ایسی باتیں تو قیافہ سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے مجھے کہا جا چکا تھا کہ جگہ خالی

چھوڑوں یا نہ چھوڑوں۔ مجھے محض یہ ہدایت تھی کہ جس وقت نوٹ لے آؤں فوراً پراسیکیوٹنگ افسر کے مکان پر پہنچ جاؤں

سلیم: اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو یہ ہدایت نہیں کی گئی تھی جس سے معلوم ہو کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

ج: مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

سلیم: کیا آپ کو شبہ تھا یا بتایا گیا تھا۔

ج: ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔

س: کیا اس تقریر کے متعلق خاص ہدایت کی گئی تھی؟

ج: مجھے فون پر بلا کر ہدایت کی گئی تھی کہ لانگ ہینڈ نوٹ نہ کرنا۔

س: کیا یہ بتایا گیا تھا کہ کوئی خالی جگہ نہ چھوڑنا۔

ج: مجھے نہیں بتایا گیا تھا۔

س: جس نوٹ بک میں آپ نے نوٹ لیے وہ گجرات سے لی تھی؟

—— جب آپ لالہ موسیٰ گئے تھے کیا آپ کو خیال تھا کہ نوٹ بک جلائی جائے گی۔

ج: مجھے معلوم نہیں تھا۔

س: کیا آپ کو یہ ہدایات دی گئیں کہ فوراً آ جائیں۔

ج: مجھے یہ ہدایت تھی کہ جتنی جلدی فارغ ہو جاؤ واپس آ جاؤ۔

س: کب فارغ ہو گئے تھے ؟

ج: اور بھی کئی تقریریں تھیں، شہزادہ آزاد نے بھی تقریر کی تھی اس لیے دوسرے دن شام کو فارغ ہوا۔

س: ۲۰۔ جون کی شام کو آپ نے کس وقت تقریر کے نوٹ لیے؟

ج: مجھے یاد نہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ نوٹ لینے میں غالباً دو اڑھائی گھنٹے لگے تھے۔

س: لالہ موسیٰ سے گجرات آنے تک کتنا وقت لگا۔

ج: غالباً بیس پچیس منٹ۔ ایک اور سوال پر کہا کہ غالباً دونوں شہروں میں دس گیارہ میل کا فاصلہ ہے۔

س: کیا جس رات نوٹ لیے تھے اس رات سوئے بھی تھے؟

ج: جی ہاں۔ میں تھانہ لالہ موسیٰ میں سویا تھا۔ وہاں اور سپاہی بھی تھے جنھوں نے مجھے کہا تھا کہ شاید کل جلسہ ہو۔ اس لیے مجھے لالہ موسیٰ ہی میں ٹھہرنا چاہیے۔ اس مرحلے پر کارروائی لنچ کے لیے ملتوی ہو گئی۔

لنچ کے بعد کی کارروائی

لنچ کے بعد کارروائی شروع ہوئی۔ تو کئی اور وکلا ء کارروائی سُننے کے لیے موجود تھے۔ ان میں سے پنڈت نانک چند بیرسٹر ایٹ لا کا نام

قابلِ ذکر ہے مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھتے ہوئے لدھا رام سے پوچھا ۲۸ر جون کے جلسے میں جس میں عطار اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی کیا آپ نے کسی دوسری تقریر کے نوٹ لیے ؟

گواہ : جی ہاں میں نے سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے علاوہ شہزادہ آزاد، بھاگ سنگھ اور ایک دو اور اصحاب کی تقریروں کے نوٹ لیے جن کے نام مجھے یاد نہیں ۔

س : جب آپ نے نوٹ لیے اس وقت دن کچھ باقی تھا؟

ج : نہیں۔ جلسہ نو بجے رات کے بعد شروع ہوا۔

س : کیا ان تقریروں کے نوٹ اسی نوٹ بک میں لیے تھے ۔

گواہ : جی ہاں ۔

س : کیا آپ نے دوسرے دن یعنی ۲۹۔ جون کو کسی اور تقریر کے نوٹ لیے تھے ؟ گواہ : نہیں ۔

س : مسٹر جسٹس رام لال : کیا اس دن لالہ موسیٰ میں کوئی جلسہ تھا؟

ج : ایک جلسہ تھا مگر اسے ملتوی کیا گیا ۔

مسٹر سلیم : آپ لالہ موسیٰ سے گجرات کب گئے ؟

ج : ۲۹۔ جون کی شام یا ۳۰۔ جون کی صبح لیکن مجھے ٹھیک یاد نہیں کیونکہ اس واقعے کو آٹھ نو ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے ۔

مسٹر سلیم : آپ نے پہلے کہا تھا کہ آپ کو ہدایت ہوئی تھی کہ تقریریں لوٹ کرنے کے بعد فوراً بھیجو۔ تو کیا آپ کو یاد نہیں کہ ۲۹۔ جون کی شام کو گئے یا ۳۰۔ جون کی صبح کو؟

گواہ : مجھے یہ یاد نہیں، لیکن یہ یاد ہے کہ ۳۰۔ جون کو پراسیکیوٹنگ افسر کے پاس گیا۔

مسٹر سلیم : اگر آپ ۲۹۔ جون رات کو گجرات جاتے تو کہاں رہتے گجرات جاتے تو تھانہ میں رپورٹ دے کر وہیں رہتے ؟

س : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس کس وقت گئے ؟

ج : دوپہر کے بارہ بجے کے بعد مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ غالباً تین اور چار بجے کے درمیان گیا ہوں گا۔

س : جب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے ملے تو کیا لوٹ بک جس میں آپ نے ان تقریروں کے لوٹ لیے تھے۔ وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے کر دیا تھا۔ گواہ : جی ہاں۔

س : جب آپ نے لوٹ بک حوالے کی تو کیا شارٹ ہینڈ لوٹ پڑھ کر سنائے تھے یا لانگ ہینڈ میں لکھ کر؟

گواہ : میں نے لانگ ہینڈ لوٹ بنائے اور اس کے بعد انسپکٹر کو پیش کر دیا۔

س: کیا ان کی موجودگی میں لانگ ہینڈ نوٹ تیار کیے؟ گواہ: جی ہاں
پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی موجودگی میں تیار کیے۔

س: جب آپ نے لانگ ہینڈ نوٹ بنائے تو کیا آپ کی موجودگی میں انھوں نے پڑھا؟ گواہ: جی ہاں۔

س: کیا انھوں نے پڑھنے کے بعد کہا کہ یہ تسلی بخش نہیں ہے یا ہے۔

گواہ: انھوں نے کہا کہ جو کچھ میں بولوں اس کے نئے سرے سے شارٹ ہینڈ نوٹ لکھو۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا: کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے لانگ ہینڈ نوٹ دو تین مرتبہ پڑھے۔ اور اس کے بعد لکھنا شروع کیا۔

س: آپ نے جو نوٹ لکھے ان میں کتنا عرصہ لگا؟

ج: قریباً چھ سات گھنٹے لگے۔ دس ساڑھے دس بجے یہ کام ختم ہوا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ شارٹ ہینڈ نوٹ لکھوانے اور لانگ ہینڈ نوٹ ہونے کے لیے پہلی شارٹ ہینڈ نوٹ بک جلائی گئی۔ تو دوسری تقریروں کے متعلق کیا ہوا؟ گواہ نے کہا کہ اگر کورٹ مجھے تحفظ دے تو میں جواب دے سکتا ہوں کیونکہ ان کے سلسلے میں عدالت فیصلہ دے چکی ہے

میاں عبدالعزیز: دوسرے مقدمے میں جو شہزادہ آزاد کے خلاف ہوا گواہ پر جرح ہو چکی ہے۔ اس لیے گواہ کی درخواست ہے کہ اگر وہ اس کے

متعلق یہاں جو بھی بیان دے گا وہ اس کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا اس پر گواہ نے کہا کہ جو شہادت میں نے جہلم میں شہزادہ آزاد کے خلاف دی تھی وہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے کہنے پر دی تھی۔

مسٹر سلیم: سوال یہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ دوسری تقریروں سے نوٹوں کے متعلق کہا گیا۔ گواہ: ان پر دستخط بھی تھے۔

چیف جسٹس: سوال یہ ہے کہ اس نوٹ بک میں دوسری تقریروں کے نوٹ بھی تھے۔ جب اس نوٹ بک کو جلا دیا گیا تو ان تقریروں کے نوٹوں کا کیا بنا۔

گواہ: انھیں بھی دوبارہ لیا گیا اسی لیے تو سات گھنٹے صرف ہوئے تھے۔

سلیم: جب آپ سیّد صاحب کی تقریر کے نوٹوں کا ذکر کر رہے تھے تو دوسری تقریروں کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

گواہ: اس لیے کہ میں پروٹیکشن لینے کے بعد ہی کروں۔

س: جو جو تقریریں ہوئیں کیا ان سب کو دوبارہ نوٹ میں لیا گیا تھا۔

گواہ: جی ہاں۔

س: جب آپ نے ان تقریروں کو دوبارہ کر لیا تو کیا انھیں اصل کے مطابق لیا یا ان میں بھی تبدیلی کرائی گئی۔

گواہ: اگر مجھے یقین دلایا جائے کہ اس بیان پر میرے خلاف مقدمہ نہیں

چلے گا تو میں بتا سکتا ہوں۔

میاں عبدالعزیز: یہ حفاظت تو پہلے دی جا چکی ہے۔

گواہ: کچھ لفظ سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے نکال کر شہزادہ آزاد کی تقریروں میں ڈال دیے گئے تھے۔

چیف جسٹس: تاکہ شہزادہ آزاد کو سزا ہو جائے — تو کیوں یہ لفظ ان کی تقریر میں ڈالے گئے تھے؟

گواہ: اس لیے کہ اگر ساری تقریر کو بنایا جاتا تو یہ خیال ہوتا کہ بناوٹی ہے۔ شہزادہ آزاد کی تقریر میں سے یہ الفاظ کہ لڑائی نے ہزاروں روپوں کے کتے خرید رکھے، نکال کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے نوٹوں میں ڈال دیے گئے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس ڈائری میں جو جعلی بنائی گئی۔ اگر سارے قابل اعتراض الفاظ ڈالے جاتے تو معلوم ہو جاتا کہ ساری جعلی ہے۔ اس لیے وزارت کے متعلق بھی کچھ حصہ ملا دیا گیا کیونکہ خط میں لکھا ہوا تھا کہ سید عطاء اللہ شاہ یونینسٹ پارٹی کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے۔

مسٹر سلیم: آپ کا یہ خیال ہوا کہ ایک تقریر کے چند حصے دوسری میں ڈالے گئے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ساری تقریر جعلی ہے۔

گواہ: جعلی نظریہ تھا اور دوسرے یہ کارکردگی دکھاتے کہ کہیں یونینسٹ

وزارت کا اتنا ہمدرد ہوں۔

چیف جسٹس: وہ الفاظ جو شہزادہ آزاد کی تقریر سے نکال کر سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر میں ڈالے گئے وہ قابلِ اعتراض تھے یا نہیں۔ گواہ: ہو سکتا ہے۔

چیف جسٹس: جو الفاظ سید صاحب کی تقریر سے نکال کر آزاد کی تقریر میں ڈالے گئے وہ قابلِ اعتراض تھے یا نہیں۔

گواہ: ہوں گے۔ مجھے پتہ نہیں۔

چیف جسٹس: کیا آپ کے خیال میں دونوں نے قابلِ اعتراض تقریریں کی تھیں۔

گواہ: نہیں۔

چیف جسٹس: ہو سکتا ہے تمام تقریریں قابلِ اعتراض نہ ہوں چند الفاظ ہی قابلِ اعتراض ہوں۔

گواہ: جہاں تک میرا خیال ہے نہیں۔

چیف جسٹس: اگر نہیں تو ایک تقریر کے الفاظ دوسرے کی تقریر کے الفاظ میں کیوں ڈالے گئے؟

گواہ: ایک آدھ لفظ ایک تقریر سے لیا جاتا تھا اور کچھ اپنے پاس سے ملا لیا جاتا تھا۔

مسٹر جسٹس رام لال: یعنی پورے جملے نہیں بلکہ چند الفاظ ہی ملائے جاتے تھے۔ گواہ: جی ہاں۔

سلیم: آپ نے کہا تھا یہ دستخط جو اس کے نیچے ہیں آپ کی موجودگی میں نہیں کیے گئے تو پھر کس نے کیے تھے؟

گواہ: یہ ان لوگوں کے دستخط تھے جو میں نے بنائے یا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مقبول حسین شاہ کو بلایا گیا تھا۔ اس نے اپنے دستخط کیے اور دوسرے فیروز خاں کے نام پر اس نے خود دستخط کیے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کونسے دستخط کیے تھے لیکن یہ یاد ہے کہ دونوں میں سے ایک میں نے کیے۔

مسٹر سلیم: فیروز خاں کو کیوں نہیں بلایا گیا؟

گواہ: وہ مل نہیں سکا تھا۔

سلیم: مقبول حسین کب آیا؟

گواہ: جس دن یہ نوٹ تیار کیے گئے اس کے تین چار دن بعد گجرات سے آیا تھا۔

سلیم: اس دوران میں یہ مبینہ جعلی ڈائری کس کے پاس رہی؟

گواہ: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس۔

مسٹر جسٹس رام لال: آپ کو کب واپس ملی؟

گواہ: دس پندرہ دن کے بعد۔

چیف جسٹس: جب آپ کو پہلی دفعہ جعلی دستاویز بنانے کے لیے کہا گیا تو کیا آپ نے پروٹسٹ کیا؟

گواہ: جی ہاں میں نے یہ دلسٹ کیا تھا۔ لیکن میرے ساتھ ایک کانسٹبل تھا جس نے ایک دفعہ غلطی کی تھی تو اسے تنزل کر دیا گیا تھا۔

خودکشی کا ارادہ

چیف جسٹس: کیا تم نے درخواست میں کہا تھا کہ میں جھوٹی شہادت دینا نہیں چاہتا۔

گواہ: اگر میں لکھتا تو نہ معلوم مجھے کیا دھکّے کھانے پڑتے۔ اور نہ معلوم پولیس مجھ سے کیا سلوک کرتی۔ اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے ایک سوال دریافت کرنا چاہا۔ جس پر لدھا رام نے کہا کہ میری ایک اور درخواست بھی ہے میں تہیہ کیے ہوئے تھا کہ شہادت دینے کے بعد خودکشی کر لوں گا۔ اس کے لیے میں نے سنکھیا خریدا۔ آپ بے شک اس دکان سے دریافت کر سکتے ہیں میرے والد، میری والدہ اور گھر کے تمام آدمیوں کو اس کا علم ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرے دل میں کیا تھا۔

مسٹر سلیم: یہ تو معمولی بات تھی کہ جھوٹی شہادت نہ دو اور خودکشی نہ کرو

گواہ: جی ہاں معمولی بات تھی لیکن مجھے پتہ تھا اگر وہاں آواز پہنچاتا تو اس عدالت میں بھی جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے پہنچ نہ سکتی۔

مسٹر جسٹس رام لال: یہ پولیٹیکل پلیٹ فارم نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر

تمھارا ضمیر بیدار تھا تو تم نے یہ ارادہ کیوں نہیں کیا کہ سچ بولوں گا۔
گواہ: اسی لیے تو میں اب سچ بولنے پر مجبور ہوا ہوں۔
میاں عبدالعزیز: پوزیشن یہ ہے کہ اس وقت پروٹسٹ نہیں کیا کیونکہ پیٹ کا فکر تھا۔ ماتحت عدالت میں مشکل تھا اس لیے اب عدالت بالا میں اسے ہمت ہو گئی ہے کہ سچ بولے۔ مسٹر سلیم نے گواہ سے جرح جاری رکھتے ہوئے پوچھا اس نوٹ بک میں جو آپ کے خیال میں جعلی ہے کیا بعد میں اور تقریروں کے نوٹ بھی لکھے گئے؟
گواہ: جی ہاں۔ سلیم: پہلے بھی اس میں نوٹ تھے؟
گواہ: مجھے خیال نہیں۔
سلیم: جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی تو کیا آپ کو یہ خیال نہیں کہ اس کے ساتھ کچھ صفحے لکھے ہوئے تھے؟
گواہ: صفحے تھے جو پھاڑ دیے گئے اور یہ دیکھے جا سکتے ہیں۔
سلیم: مطلب یہ جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی اس وقت اس میں شارٹ ہینڈ کے نوٹ تھے۔
گواہ: جی ہاں کچھ لکھا تھا۔
سلیم: یہ نوٹ آپ نے لکھے تھے یا کسی اور نے؟
گواہ: میرے ہی تھے۔ سلیم: کب پھاڑے گئے آپ کی موجودگی میں

سلیم: پھاڑنے کے بعد جو صفحے بچے کیا وہ خالی تھے؟

گواہ: جی ہاں ۔ سلیم: جو صفحے خالی بچے انھیں کیوں نہیں پھاڑا گیا

گواہ: ان میں تاریخوں کی رد و بدل تھی ۔ ان کی تاریخیں بہت پہلے کی تھیں ۔ اس کے بعد پھر بھی کئی تقریروں کے نوٹ لیے جا چکے تھے کئی نوٹ بکیں چل چکی تھیں ۔

سلیم: آپ نے سید عطاء اللہ بخاری کے نوٹ اسی پر کیوں نہیں لیے نئی کاپی کیوں لی؟

گواہ: نئی کاپی اس لیے لائی گئی تھی کہ جعلی رپورٹ بنائی جائے گی ۔

سلیم: گویا یہ شبہ آپ کو تھا ۔

گواہ: میرا بھی خیال تھا اور عام طور پر ایسا ہو ہی جاتا ہے ۔

سلیم: گویا شک ہونے پر آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہ کرو نئی کتاب لاؤ ۔

گواہ: میں نے نہیں کہا تھا ۔

سلیم: گویا یہ خیال آپ نے دل میں رکھا؟

گواہ: نہیں سلیم: اس کا مطلب کیا ہوا؟

گواہ: خیال تھا کہ اس راز نے کیا ظاہر ہونا ہے اس لیے جو بھی کاپی آئے اسے لگا لیا جائے ۔

سلیم: گویا وہاں بہت سی کاپیاں پڑی ہوئی تھیں ۔

گواہ: کورٹ انسپکٹر کے پاس نہیں انگلش اسٹینو گرافر کے پاس ہوتی ہیں۔
سلیم: مگر آپ کورٹ انسپکٹر کے گھر گئے تھے وہاں کاپیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گواہ: نہیں۔ وہاں ویر سنگھ اسٹینو گرافر کو بلایا گیا کہ ایک نوٹ بک لاؤ۔

سلیم: کیا اسے بتایا گیا تھا کہ کیوں نوٹ بک لاؤ۔

گواہ: نہیں۔ سلیم: گویا وہ ایک نوٹ بک لے آیا۔

گواہ: تین چار نوٹ بکیں لے آیا۔

سلیم: کیا وہ خالی تھیں؟

گواہ: کئی خالی تھیں کئی لکھی ہوئی۔

سلیم: کیا کوئی ایسی تھی جو بالکل خالی تھی۔ اور جس میں نوٹ لکھے ہوئے نہیں تھے۔

گواہ: میں نے تین کاپیاں دیکھی تھیں۔ ایک کے متعلق پراسیکیوٹنگ افسر نے کہا۔ کہ یہ موزوں ہے۔ میں نے دوسری کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلیم: نوٹ بک دکھا کر) کہاں سے کاغذ پھاڑ لیے گئے تھے؟

گواہ: دیکھ کر) شروع سے پھاڑ لیے گئے تھے۔

سلیم: یہ صفحے کس نے پھاڑے تھے؟

گواہ: میں نے خود اس دن پھاڑے تھے۔

سلیم: آپ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں اور تحریروں کے نوٹ لکھی ہیں۔ وہ جعلی ہیں یا اصلی؟

گواہ: ان میں جعل سازی نہیں کی گئی

سلیم: آپ نے کہا تھا کہ سینہ جعلی نوٹ بک جب آپ کے پاس پندرہ سولہ دن کے بعد آئی تو لانگ ہینڈ نوٹ لکھے تھے۔

گواہ: جی ہاں۔

سلیم: جو علیحدہ کاغذ پر لانگ ہینڈ نوٹ لکھے تھے وہ بھی آپ کے حوالے کر دیا گیا۔

گواہ: پہلے اسے پولیس اسٹیشن کو بھیجا گیا اور مجھے کہا گیا تھا کہ لالہ موسیٰ تھانہ سے لے آؤ۔ مجھے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جانے کا حکم دیا تھا۔

س: آپ کو وہ لانگ ہینڈ نوٹ کب ملے؟

ج: مجھے تاریخ یاد نہیں۔

س: آپ کے پاس کتنے عرصے تک رہے؟

ج: یہی دو تین دن۔

س: اس کے بعد آپ نے کس کو دیئے؟

ج: عبدالحمید اسٹینو گرافر تھانہ گجرات کو۔

س : تاریخ یاد ہے؟ ج : نہیں۔

س : کیا اس دن عطاء اللہ شاہ بخاری کی پیشی تھی؟ ج : نہیں۔

س : آپ نے یہ نوٹ عبدالحمید کو دے دیئے تو کیا پھر واپس لیے؟

ج : ہاں۔ میں نے واپس لیے۔ ایک اور سوال پر کہا کہ میں مرار گیا وہاں سے چھٹی ملی تب میں واپس آیا۔ اور نقل تیار کر کے اسی دن انھیں واپس دے دیا۔ س : تاریخ کیا تھی؟

ج : غالباً ۱۸۔ نومبر۔ س : آپ نے کس کے پاس انھیں دیکھا؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس۔ انھوں نے مجھے چند حصوں کو خط کشیدہ کر کے دیا اور کہا کہ گواہوں کو یاد کراؤ۔

س : کیا وہ حصے تم نے گواہوں کو پڑھ کر سنائے۔

ج : جس گواہ کے متعلق جو جو حصہ مقرر تھا وہ اس نے لکھ دیا۔

س : کیا اس دن مقدمہ ملتوی ہو گیا تھا۔ ج : جی ہاں۔

س : کیا گواہوں نے کہا ہے کہ ہمیں ۱۱۔ نومبر کو بیان بتایا گیا تھا۔ اور آپ ۱۸۔ نومبر کہہ رہے ہیں۔

ج : مجھے پختہ یاد نہیں۔ یہ تاریخ وہ تھی جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیل میں آچکے تھے۔

س : تاریخ ملتوی ہونے کے بعد لانگ ہینڈ نوٹ کہاں گئے؟

ج: میں نے اسٹینوگرافر عبدالحمید کو واپس کر دیے۔

س: کیا پھر کبھی اس سے واپس لیے؟

ج: نہیں۔ میں نے دوبارہ واپس نہیں لیے۔

س: کسی سے بھی نہیں۔ ج: نہیں۔

س: گویا اس کے بعد آج تک آپ نے کبھی ان لانگ ہینڈ نوٹوں کو نہیں دیکھا۔ ج: جی ہاں دیکھا ہے۔

س: کب؟ ج: جب پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا انھیں دوبارہ بنانا ہے تاکہ جو جعلی دستخط بنائے ہوئے ہیں انھیں ٹھیک کیا جائے کیونکہ شاید عطاء اللہ شاہ بخاری جو کافی باثر مولوی ہے۔ گواہ غلام حسین اور رولدو سنگھ پر دباؤ ڈال نہ لے۔ اس لیے ان دونوں کے دستخط کر دیے جائیں۔ س: تاریخ کیا تھی؟ ج: ۲۸ر دسمبر تھی۔

س: کس طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ ضرور ۲۸۔ دسمبر ہی تھی۔

ج: میرا خیال ہے کہ ۲۸۔ دسمبر ہی تھی۔

لدھا رام کی گرفتاری اور ضمانت پر رہائی

کورٹ کا اجلاس ساڑھے تین بجے ختم ہونا تھا۔ اس وقت تین بج کر ۲۵ منٹ ہو گئے تھے۔ آنریبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی

کو بتایا کہ لدھا رام کی گرفتاری کے دو بلا ضمانت وارنٹ آئے ہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مقدمے میں شہادت کے لیے ہمیں لدھا رام کی ضرورت ہے استغاثے کو بھی اور آپ کو بھی ۔ یہ وارنٹ جن مقدمات کے سلسلے میں جاری کیے گئے ہیں اُن کا اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ میری یہ درخواست ہے کہ جب تک لدھا رام کا بیان ختم نہ ہو جائے اسے پولیس کے حوالے نہ کیا جائے ۔ اس دوران میں اسے ضمانت پر رہا کیا جائے ۔

چیف جسٹس : کیا یہ مناسب ہوگا کہ اسے جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا جائے ۔

میاں عبدالعزیز : نہیں جناب ۔ میری درخواست ہے کہ جب تک اس کی شہادت ختم نہیں ہوتی اسے ضمانت پر رہا کیا جائے ۔

چیف جسٹس : یہ مقدمہ نہایت سخت ہے اور اس میں اس کی حاضری کی ضرورت ہے

میاں عبدالعزیز : اس کے لیے زیادہ ضمانت لی جا سکتی ہے ۔ اگر اس کا بیان کوئی ضمانتی ہوا تو ضمانت دے گا ، پانچ دس ہزار جتنی چاہیں ضمانت مانگ لیں ۔

چیف جسٹس : پانچ ہزار کی ضمانت طلب کی جاتی ہے (لدھا رام سے)

یہاں آپ کا کوئی ضمانتی ہے؟

لدھا رام: جی ہاں میں ضمانت دے سکتا ہوں۔

میاں عبدالعزیز: ڈاکٹر عبد القوی ایم بی بی ایس لاہور لدھا رام کی ضمانت دینا چاہتے ہیں۔ ان کی اچھی خاصی پریکٹس ہے اور کافی جائداد کے مالک ہیں۔ اور ذاتی طور پر بھی میں جانتا ہوں۔

چیف جسٹس: یہ ٹھیک ہے۔ میاں عبدالعزیز ذاتی طور پر بھی انھیں جانتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: میں ہی نہیں میرے دوست منیر اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل بھی انھیں جانتے ہیں (قہقہہ) اس پر لدھا رام کی ضمانت لی گئی۔ اور اسے رہا کر دیا گیا۔ شہادت کے دوران میں لدھا رام کا بوڑھا باپ امیر چند نارنگ بھی آیا ہوا تھا۔ جب لدھا رام باہر نکلا تو دونوں بغل گیر ہوئے۔ لدھا رام چک ۴۶ شمالی ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھا۔ اس وقت سناتن دھرم ہائی اسکول گجرات سے میٹرک پاس کیا۔ ڈی۔ اے وی کالج لاہور میں ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔

لاہور ۲۔ اپریل۔ آج جب احرار لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف چیف جسٹس اور مسٹر جسٹس رام لال کے روبرو مقدمہ کی سماعت

شروع ہوئی تو پولیس نے ہجوم کے پیش نظر احاطۂ عدالت تمام تماشائیوں سے خالی کرالیا جس سے تمام ہجوم احاطۂ عدالت کے باہر ہوگیا اور جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جیل سے لایا گیا تو لوگوں نے "احرار زندہ باد" اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے لگائے آج بھی لدھارام کی شہادت تھی۔ اسے کارپر لایا گیا۔ استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل اور صفائی کی طرف سے میاں عبدالعزیز ایم ایل اے بار ایٹ لا، دیوان چمن لال بار ایٹ لا، مسٹر کے ایل گابا اور میر عبدالقیوم لائلپوری، میاں عبدالقیوم بیرسٹر پیش ہوئے۔ لدھارام نے لباس تبدیل کیا ہوا تھا۔ آج اس نے دھاری دار چارخانے والی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ اور کل جو ٹوپی بغل میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کی بجائے ایک اور ٹوپی لی ہوئی تھی، بال بھی آراستہ کیے ہوئے تھے۔ کل کے برعکس آج وہ بہت سنجیدہ تھا۔ آج بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی۔ آپ نے چند کاغذات گواہ کو دکھاتے ہوئے دریافت کیا کیا یہ صفحات جن پر ۱۱۲ سے ۱۲۶ تک نمبر ہیں۔ ان پر نوٹ آپ کے ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔

لدھارام: جی ہاں۔ یہ شارٹ ہینڈ اور لانگ ہینڈ میں سے ہی

ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

مسٹر سلیم: کیا یہ انہی تقریروں کے نوٹ ہیں جو ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء کو نوٹ کی گئی تھیں۔

ج: اگر کورٹ مجھے تحفظ دے تو میں جواب دے سکتا ہوں۔

مسٹر جسٹس رام لال: آپ کو جواب دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے

لدھا رام: ان تقریروں کے نوٹ ایک علیحدہ کاغذ پر لکھے گئے تھے۔ جس پر لائنیں تھیں اور پن سے لکھا تھا۔

س: تو یہ کب تیار کیے گئے؟

ج: یہ نوٹ اس نوٹ بک پر اس وقت تیار کیے گئے جب غازی سلطان محمود کے خلاف مقدمہ تیار کیا گیا تھا۔

س: کس تاریخ کو؟

ج: تاریخ مجھے یاد نہیں، مہینہ بھی یاد نہیں غالباً گرمیوں کے دن تھے۔

س: سید عطاء اللہ کی تقریر کے بعد یہ مقدمہ ہوا۔ آپ نے پہلے کہا تھا کہ ۳۰ جون ۱۹۳۸ء کو سید عطاء اللہ کی تقریر سنائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ یہ نوٹ اس کے بعد لکھے گئے تھے یا پہلے؟

ج: ٹھیک یاد نہیں کہ یہ نوٹ میں نے کب بنائے تھے۔

س: یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ۳۰ جون کو نہیں بنائے گئے۔

ج : جی ہاں مجھے ٹھیک یاد ہے کہ اس دن نہیں بنائے گئے جب
سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر بنائی گئی تھی ۔

س : سلیم : کیا یہ نوٹ اس نوٹ بک سے پھاڑے گئے جو آپ کے
بیان کے مطابق جعلی بنائی گئی تھی ؟

ج : نہیں، یہ نوٹ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے ۔

سلیم : (وہ نوٹ بک دکھا کر جس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ سید
عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق جعلی بنائی گئی) کیا اس نوٹ بک
میں جو صفحات موجود نہیں کہ یہ وہی پھاڑے ہوئے صفحات ہیں ۔

ج : میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ وہی ہیں لیکن میں کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں
۱۲ ۔ جون کو جب میں پہلے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا تو کچھ ایسے
صفحات اس نوٹ بک سے پھاڑ دیے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے
تھے ۔ ان میں سے کچھ تو نوٹ بک کے پہلے صفحات پر تھے اور کچھ دوسرے
صفحات پر ۔

چیف جسٹس : آپ کیا مطلب سمجھتے ہیں ؟ مسٹر سلیم ۔

سلیم : (آنریبل چیف جسٹس سے) گواہ نے کل اپنے بیان میں کہا
تھا کہ نوٹ بک کے پہلے صفحات ہی پھاڑے گئے تھے ۔ اور اب وہ یہ
ترمیم کر رہا ہے کہ دوسرے صفحات بھی پھاڑے گئے ۔

میاں عبدالعزیز: نہیں مائی لارڈ! گواہ ترمیم نہیں کر رہا ہے جہاں کل اس نے بیان میں کہا تھا کہ چند پہلے صفحات پھاڑنے کے بعد ایسے صفحات رہنے دیے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے تھے۔

چیف جسٹس: وہ بیان کیا ہے؟

میاں عبدالعزیز: وہ بیان میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس پر آپ نے گواہ کا کل کا بیان پڑھ کر سنایا۔

سلیم: یہ نوٹ بک جو عدالت میں موجود ہے اس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ اس کے کچھ صفحات پھاڑے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے تھے۔ اس پر باقی نوٹ بک بالکل خالی رہ گئی تھی۔ گواہ نے مزید کہا تھا کہ اس کے بعد اس پر چند تقریریں لکھی گئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اصلی نوٹ بک جس میں ۲۸۔ جون کی تقریر درج تھی جلا دی گئی تھی تو اس نوٹ بک میں ۱مئی کی تقریر نہ ہوتی۔ ۳۰۔ جون کے بعد کی تقریریں ہوتیں۔

چیف جسٹس: مسٹر سلیم: آپ گواہ سے سیدھے سادے سوال دریافت کر کے جواب حاصل کریں۔

مسٹر سلیم: (گواہ سے) ۳۰۔ جون کو جب آپ نے یہ نوٹ بک جعلی بنائی جو آپ کے سامنے موجود ہے اس دن کے متعلق آپ نے مزید کہا تھا کہ اس میں چند اور بھی شارٹ ہینڈ نوٹ درج تھے جو آپ نے پھاڑ دیے۔

اور جو نوٹ بک جلا دی اس کے چند نوٹ بنا کر اس نوٹ بک میں درج کیے جو عدالت میں موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ ۱۰ مئی کی تقریر کے نوٹ اس میں نہیں لیے اب بتائیے کہ ۱۰ مئی والی تقریر اس میں کیسے آ گئی۔

گواہ : اس نوٹ بک میں جب جعلی نوٹ تیار کیے گئے تو اور بھی کئی تقریروں کے نوٹ تھے جن کی تعداد میں نہیں جانتا اس میں کئی بہت پرانی تقریروں کے نوٹ بھی تھے جنہیں پھاڑ دیا گیا۔ کئی صفحات درمیان سے بھی پھاڑے گئے اس طرح سے کئی ایسے صفحات تھے جن پر جگہ اور مقام کا نام نہیں تھا۔ محض تقریروں کے کچھ حصے تھے ان صفحات کو رہنے دیا گیا۔ ان پر غلہ منڈی لالہ موسیٰ اور ۱۰ مئی کی تاریخ ڈال دی گئی۔ اس کے بعد غازی سلطان محمود کی تقریر جعلی بنائی گئی اور اس کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی جعلی تقریر بنائی گئی۔

جسٹس رام لال : گویا پوزیشن یہ ہے کہ جس نوٹ بک پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر بنائی گئی اس پر پہلے بھی کوئی جعلی تقریر بنائی گئی تھی۔

لدھا رام : جی ہاں۔ غازی سلطان محمود کی تقریر سید عطاء اللہ شاہ سے ایک ماہ پہلے کی تھی۔ اس لیے بخاری کی تقریر اس کے بعد درج کی گئی تاکہ اس کتاب پر کوئی شبہ نہ ہو۔

سلیم : گویا یہ تقریر بھی ۳۔ جون کو بنائی گئی۔

گواہ: جی ہاں، اسی روز پر اسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر اس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی۔

سلیم: آپ نے اپنا بیان بدل لیا ہے اس لیے بتائیے یہ بیان جو آپ نے دیا ہے آخری ہے۔

مسٹر جسٹس رام لال: (گواہ سے) تم نے پہلے کہا تھا کہ ۳۰ جون کو یہ تقریر نہیں بنائی گئی تھی اب کہہ رہے ہو کہ ۳۰ جون کو ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر اس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی تمھارا یہ بیان قطعی ہے اور اس پر قائم ہو۔ گواہ: جی ہاں میں اس پر قائم ہوں۔

سلیم: (گواہ سے) کیا آپ اس پر قائم ہیں کہ اس نوٹ بک سے چند نوٹ پھاڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کو موجود رہنے دیتے تو کچھ تاریخوں کا فرق ہو جاتا۔

گواہ: میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت پرانی تقریریں تھیں ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا وہ صفحات کس مطلب کے لیے پھاڑے گئے، البتہ مطلب ایک ان پڑھ آدمی بھی معلوم کر سکتا ہے۔

سلیم: آپ کہتے ہیں کہ اس نوٹ بک میں آپ نے دوسری تقریروں کے علاوہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور آزاد کی تقریریں بنائیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۸ جون کو تقریر کی تھی اور دوسری تقریریں ۱۰ مئی کی تھیں۔

عجب ایک ہی جگہ دونوں کی تقریریں بنا رہے تھے تو یہ کیا بات ہے کہ
۲۸۔ جون کی تقریریں پہلے صفحوں پر آتی ہیں اور ۱۰۔ مئی کی بعد میں۔

چیف جسٹس : کیا پولیس اسی طرح بیوقوفی سے تقریریں بناتی ہے۔

گواہ : اس سے بھی زیادہ بیوقوفی سے بناتی ہے۔

چیف جسٹس : اگر پولیس عام طور پر جعلی تقریریں ہی بناتی ہے تو پولیس کو تجربہ ہونا چاہیے۔ وہ اس طرح کی بیوقوفی نہیں کر سکتی۔

میاں عبدالعزیز : گواہ کا بیان ہے کہ پولیس اس سے بھی زیادہ بیوقوفیاں کر سکتی ہے۔ انہی بیوقوفیوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقریر بناوٹی ہے۔

دیوان چمن لال : مائی لارڈ! پوزیشن تو یہ ہے کہ ۱۰۔ مئی کی تقریر بعد میں نہیں لکھی ہوئی۔

جسٹس رام لال : یہ مسٹر سلیم کہہ رہے ہیں۔

سلیم : میری پوزیشن یہ ہے کہ اگر ۳۰۔ جون کو ہی تقریریں بنائی جائیں تو کیونکر پہلے کی تقریر بعد میں آ سکتی ہے۔

جسٹس رام لال : گواہ سے دریافت کیجیے کہ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ نوٹ بک پر ۱۰۔ مئی کی تقریر ۲۸۔ جون کے بعد درج ہوئی ہے۔

گواہ : میں یہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔ گواہ نے نوٹ بک دیکھ کر کہا جی ہاں ۲۸۔ جون کی تقریر اس تقریر سے پہلے درج ہے جو ۱۰۔ مئی کو ہوئی۔

سلیم: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ اس کی وجہ کے متعلق کوئی تشریح دے سکتے ہیں۔ ج: نہیں، میں کوئی نہیں دے سکتا۔

سلیم: آپ نے ایک تقریر اس نوٹ بک میں لکھی جو ۹۔ جولائی کو کی گئی۔ جو ان ورقوں پر جو میرے ہاتھ میں ہیں درج ہے۔ ان کے نمبر ۱۔ سے ۱۱ تک ہیں۔ گواہ: جی ہاں یہ ایسا ہی ہے اور میں نے ہی انھیں لکھا تھا۔

سلیم: کیا یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی کتاب سے نکالے گئے ہیں۔ جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر درج کی گئی۔ گواہ: نہیں۔

مسٹر سلیم: (مجسٹریٹ کے دستخط دکھا کر) کیا ان دستخطوں کو دیکھ کر بھی آپ یہی کہتے ہیں۔

گواہ: جی ہاں اس کے باوجود میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم: اب دیکھیے اس نوٹ بک کا آخری صفحہ ۷۔ ہے اور اس پر ایک مجسٹریٹ کے دستخط ہیں۔ کہ ۱۔ سے ۱۱ تک کے صفحات کی حکیم مہا سنگھ کے مقدمہ میں ضرورت ہے اس لیے انھیں پھاڑ گیا۔ کیا اس پر بھی آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفحات اس نوٹ بک سے نہیں پھاڑے گئے۔

گواہ: جی ہاں میں اب بھی یقین سے کہتا ہوں کہ اس نوٹ بک سے یہ صفحات نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم : میری پوزیشن یہ ہے کہ آپ اس واسطے یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ ۔ ا۔ مئی کی تقریر آپ نے ۲۸۔ جون کے بعد کیوں درج کی، کیا یہ درست ہے ؟

ج : نہیں میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ نوٹ بک اور تین چار اور نوٹ بکیں میرے بکس میں تھیں ۔ یہ نوٹ بک حکیم مناسنگھ کی تقریر کے متعلق تھی ۔ اس پر گواہوں کے دستخط نہیں تھے ۔ یہ بکس میں گجرات میں اپنے کوارٹر میں چھوڑ آیا تھا ۔ جس کا میں نے کل ذکر کیا تھا ۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

میاں عبدالعزیز : اگر استغاثہ کا یہ کیس ہے کہ یہ نوٹ بک جو عدالت میں پیش کی گئی ہے اور جس پر ۔ ا مئی کی تقریر ۲۸۔ جون کے بعد درج ہے درست ہے اور یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی میں سے لیے گئے تو یہ دلیل بجائے خود ثابت کرتی ہے کہ یہ ڈائری بناوٹی ہے ، کیونکہ طریقے کے مطابق یہ تقریر بعد میں ہونی چاہیے ۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یا تو ۔ ا مئی والی تقریر بناوٹی ہے یا ۲۸۔ جون والی ۔

جسٹس رام لال : لیکن اس پر ایک مجسٹریٹ کی بھی تصدیق ہے جس نے دستخط کیے کہ یہ صفحات اس ڈائری سے لیے گئے ۔ لدھا رام کے اس بیان کے بعد سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ کیا مجسٹریٹ بد دیانت تھا یا اس سے دھوکا کیا گیا۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں مجسٹریٹ کو بد دیانت نہیں کہتا۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ پولیس والے مجسٹریٹ کو جو کچھ بتاتے ہیں اسے مان کر مجسٹریٹ دستخط کر دیتا ہے۔

جسٹس رام لال: نہیں مسٹر عبدالعزیز اب بھی یہی سوال ہے کہ کیا مجسٹریٹ نے بد دیانتی کی یا اس سے دھوکا کیا گیا۔ آپ کا بیان ہے کہ مجسٹریٹ کو آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے آپ دونوں میں سے ایک بات کیوں نہیں سمجھتے۔

ج: مائی لارڈ میری یہی پوزیشن ہے کہ مجسٹریٹ سے دھوکا کیا گیا۔

جسٹس رام لال: (لدھا رام سے) کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پولیس نے تمہارے بکس میں سے ایک نوٹ بک نکال کر چند صفحات پھاڑ لیے اور اس پر غلط اندراج کر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرائے اور تصدیق کے دستخط کرائے۔

لدھا رام: جی ہاں میری یہی پوزیشن ہے۔

سلیم: یہ بیان آپ اپنے علم سے کہہ رہے ہیں یا آپ کا خیال ہے۔

ج: میں اپنے خیال سے کہتا ہوں۔

جسٹس رام لال: (گواہ سے) یہ صفحات جو ہمارے سامنے ہیں صفحہ ۱ سے شروع ہوتے ہیں اور کتاب کا آخری صفحہ ۷۰ ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ

اتفاق سے ہو گیا ہے۔

ج : جی ہاں یہ اتفاق ہی ہے۔

س : سلیم : کیا یہ بھی اتفاق ہے کہ جب میں نے غازی سلطان محمود کی تقریب کے متعلق چند صفحات جو ۱۱۲ سے شروع ہوتے ہیں ان پر ایک مجسٹریٹ کی تصدیق دکھائی تھی اور کتاب میں صفحہ کا نمبر ۱۱۱ دکھایا تھا۔

لدھارام : ممکن ہے اتفاق ہی ہو۔

میاں عبدالعزیز کی درخواست

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے فاضل جج سے درخواست کی کہ گواہ کے بیان کے مطابق جن کتابوں سے یہ صفحے پھاڑے گئے وہ عدالت میں پیش کی جائیں۔

جسٹس رام لال : وہ یہاں ہی ہیں۔ آپ کو جب جوابی جرح کے لیے ضرورت ہو گی آپ دیکھ سکتے ہیں۔

مسٹر سلیم : (گواہ سے) ۳۰۔ جون کو جب آپ نے جعلی تقریریں بنانی شروع کیں آپ نے اس کے متعلق کہا تھا کہ اس کتاب میں کچھ صفحے پہلے لکھے ہوئے تھے جو پھاڑ دیے گئے۔ کیا اس میں کچھ کاغذ خالی رہ گئے تھے۔

ج : جی ہاں کچھ تقریروں کے نوٹ رہ گئے تھے۔

س: وہ کن تقریروں کے نوٹ تھے؟ ج: مجھے یاد نہیں۔

س: انھیں کیوں رہنے دیا گیا۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو معلوم ہوگا۔

سلیم: گویا آپ کو کچھ بھی نہیں پتہ کہ انھیں کیوں پھاڑ گیا۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو پتہ ہوگا۔ میں جونیر ملازم ہوں مجھے کیا پتہ ہوسکتا ہے

سلیم: آپ نے کل بتایا تھا کہ کاغذ پھاڑنے کے بعد باقی سارے صفحات خالی رہ گئے تھے۔

میاں عبدالعزیز: فاضل جج ان سے) مگر مائی لارڈ اس نے بعد میں ہی کہا تھا کہ چند صفحات لکھے ہوئے رہ گئے تھے۔ اور یہ اس نے اور سوال میں واضح کر دیا۔

سلیم: (گواہ سے) میں اس سوال کا جواب مختصر چاہتا ہوں کہ آپ نے کل میرے سوال کے جواب میں کیوں کہا تھا کہ باقی صفحات خالی رہ گئے تھے۔

گواہ: میرا مطلب یہ تھا کہ ان صفحات کے ایک طرف لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف خالی تھے۔

سلیم: کل آپ نے کہا تھا کہ ۱۸۔ نومبر کو میں نے تقریر کے لانگ ہینڈ نوٹ گواہوں کو پڑھ کر سنائے اور انھوں نے نوٹ لکھ لیے۔ اگر آپ نے ۲۸ جون کو شہادت دی ہوتی تو کیا آپ کی منشا تھی کہ استغاثہ کی تائید کرتے۔

میاں عبدالعزیز: مسٹر سلیم! اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ گواہوں کو نوٹ

پڑھ کر سنائے گئے اس نے کہا تھا کہ انھوں نے نوٹ لکھ لیے۔

چیف جسٹس: تم سمجھتے ہو کہ یہ لانگ ہینڈ نوٹ جعلی تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا تم نے گواہوں کو بتلا دیا تھا کہ یہ تقریروں کے جعلی نوٹ ہیں۔

گواہ: جی ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ نوٹ جعلی ہیں اور وہ نہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ نوٹ جعلی ہیں بلکہ محض یہ کہا کہ یہ وہ نوٹ نہیں۔

جسٹس رام لال: تم نے جعلی کیوں نہ کہا۔

گواہ: اگر میں ... تو وہ ڈر جاتے۔

سلیم: اگر اس روز مقدمہ ملتوی نہ ہوتا تو کیا آپ استغاثہ کی تائید کرتے

گواہ: میں سچ سچ کہہ دیتا۔ سلیم: گواہوں کو کیوں نہیں کہا۔

گواہ: اگر گواہوں سے کہتا تو پولیس نہ معلوم مجھ سے کیا سلوک کرتی۔

چیف جسٹس: کیا یہ گواہ اس وقت موجود تھے جب تقریر ہوئی تھی۔

گواہ: بعد میں مجھے ملے تھے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ تقریر شروع ہونے والی تھی۔ اس لیے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔

چیف جسٹس: کیا تمہیں مکمل طور پر یاد نہیں وہ جلسے میں تھے یا نہیں۔

گواہ: مجھے جلسے سے چند قدم کے فاصلے پر جلسے کے بعد مل گئے تھے۔

چیف جسٹس: کیا ان گواہوں کو معلوم تھا کہ تم جو کچھ لکھ رہے ہو وہ درست ہے

یا نہیں۔

گواہ: جی ہاں انھیں معلوم تھا کہ یہ نوٹ درست نہیں۔ یہاں تک کہ مقبول حسین نے کہا تھا کہ اگر روٹی کا سوال نہ ہو تو میں ایسا نہ کروں۔

سلیم: آپ نے کہا ہے کہ ۱۸۔ نومبر کو اگر کارروائی ملتوی نہ ہوتی تو میں سچائی ظاہر کر دیتا۔ تو پھر آپ نے سچ بولنے کا فیصلہ کب کیا۔

گواہ: جب گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ چلانے کی منظوری دی گئی اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں سچ کہوں گا۔

سلیم: آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا میں پہلے بھی کئی مقدموں میں جھوٹی شہادتیں دے چکا ہوں۔ گواہ: جی ہاں ہے۔

جسٹس رام لال: اس ہائی کورٹ کے سوا تم نے کسی اور جگہ کبھی سچی شہادت دی۔ (قہقہہ) اس مرحلے پر گواہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر کہا ہر ایک شخص جانتا ہے کہ محکمہ پولیس میں جھوٹ سے ہی کام لیا جاتا ہے

چیف جسٹس: یہ کہہ کر تم اپنے آپ کو بہت بڑا جھوٹ بولنے والا بیان کر رہے ہو۔ (قہقہہ)

گواہ: اگر میں) ایسا ہوتا تو یہاں آ کر سچ نہ بولتا۔

سلیم: تم یہ مانتے ہو کہ تم پہلے مقدمات میں جھوٹ بولتے رہے ہو تو اس مقدمے میں سچ بولنے کا ارادہ کیوں کیا؟

گواہ: پہلے مقدمات بالکل معمولی بنائے جاتے تھے۔ مثلاً دفعہ ۱۰۸ یا ۱۵۳ لیکن اس مقدمے میں ۱۲۱۔۲۔۳۰۲۔۱۱۷۔۱۵۳ دفعات بنائی گئی ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو سوچا کہ اس طرح تو ملزم ساری عمر جیل میں سڑے گا۔ یہ الزامات نہایت سنگین بنائے گئے ہیں اس لیے میں نے سچ بولنے کا ارادہ کیا تھا۔

سلیم: آپ کو معلوم ہے کہ مقدمے کی منظوری کب دی گئی۔

گواہ: مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ غالباً ستمبر میں میں نے فیصلہ کیا تھا۔

سلیم: جب آپ نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت مقدمہ کی کوئی تاریخ مقرر ہوئی تھی یا نہیں۔

گواہ: نہیں۔ میں نے مقدمے کی سماعت سے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا۔

خفیہ رجسٹر

سلیم: اس مقدمے کی جو چٹھیاں تھیں وہ سب کی سب آپ نے نقل کر لیں یا چند ایک کو ہی نقل کیا۔

ج: اور بھی کئی خط تھے جن کی نقلیں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خفیہ رجسٹر میں ہیں

جسٹس رام لال: اس رجسٹر کا کیا نام ہے؟

ج: خفیہ رجسٹر۔

چیف جسٹس: کیا اس پر لکھا ہے کہ خفیہ رجسٹر ہے۔

ج: اس پر ایک ٹائپ شدہ چِٹ لگی ہوئی ہے جس پر لفظ خفیہ رجسٹر لکھا ہوا ہے۔

سلیم: ایک ہی رجسٹر تھا یا کئی تھے؟

ج: کئی ایک رجسٹر تھے جو رجسٹر میں نے دیکھا وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ریڈر کے پاس تھا۔ سلیم: کیا وہ ایک ہی رجسٹر رکھتا ہے؟

ج: یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س: آپ نے جس رجسٹر سے نقل کی وہ ایک ہی تھا۔

ج: جی ہاں میں نے جس رجسٹر سے نقل کی وہ ایک ہی تھا۔

س: اگر آپ کو وہ رجسٹر دکھایا جائے تو پہچان لوگے؟ ج: جی ہاں۔

س: اس کی پہچان کیا ہے؟

ج: یہ رجسٹر سفید فل اسکیپ کے کاغذوں سے بنا ہوا ہے اور مجلّد ہے۔ اس پر سبز رنگ کی جاپانی چھینٹ ہے۔ اس پر مسٹر سلیم نے ایک رجسٹر اسسٹنٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر گجرات سے جو اُن کے نزدیک ہی بیٹھے تھے لے کر گواہ کو دکھایا اور پوچھا کہ کیا یہی وہ رجسٹر ہے؟

رجسٹر ہے ہی نہیں

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے اٹھ کر فاضل جج ان سے کہا، میری درخواست ہے کہ یہ رجسٹر بہت مفید ہے لیکن اسے ایک پراسیکیوٹنگ

انسپکٹر یہاں لایا ہے۔ یہاں پر رجسٹر مکمل حالت میں ہے اس پر کوئی کور نہیں نہ ہی سر بمہر ہے یہ کیسے خفیہ رجسٹر ہو سکتا ہے؟

چیف جسٹس : ہم نے اسے ابھی دیکھا ہے۔ اس میں وزیر اعظم کا کوئی خط نہیں۔

میاں عبدالعزیز : کیا یہ وہی خفیہ رجسٹر ہے جو آپ نے طلب کیا تھا؟

چیف جسٹس : استغاثہ کی پوزیشن میرے خیال سے یہ ہے کہ گواہ نے جس رجسٹر کا ذکر کیا وہ ہے ہی نہیں اور آپ کو اس پوزیشن کا علم ہونا چاہیے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ پولیس یہ آکر کہے گی کہ اس کے پاس وزیر اعظم کا وہ رجسٹر ہے جس میں وزیر اعظم کے اس خط کی نقل موجود ہے جس میں پولیس کو ایک خلاف قانون بات کرنے کو کہا گیا۔

میاں عبدالعزیز : مجھے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس مطلب کا کوئی بیان ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا رجسٹر ضرور ہوتا ہوگا کہ جس میں بڑے افسروں کی چٹھیوں کے اقتباسات رکھے جاتے ہوں گے مسٹر سلیم نے عدالت کے استفسار پر پراسیکیوٹنگ افسر سے دریافت کر کے (جو عدالت میں موجود تھا) بتایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ اس قسم کا کوئی رجسٹر موجود نہیں ہے۔

چیف جسٹس : (میاں عبدالعزیز سے) اگر بفرض محال کوئی چٹھی وزیر اعظم

کی طرف سے وصول بھی ہوئی ہو تو اس خطرناک چھٹی کی نقل رکھنے سے کیا مقصد اس چھٹی کو ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں اس مرحلے پر زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس گواہی دینے کے لیے آرہے ہیں۔

خط کہاں رکھے جاتے ہیں

چیف جسٹس: مسٹر سلیم کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ خفیہ خطوط کہاں رکھے جاتے ہیں۔

مسٹر سلیم۔ ان کا ذکر اس رجسٹر میں جو عدالت میں موجود ہے ہوتا ہے۔

چیف جسٹس: ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ خطوط جو خفیہ نوعیت کے ہوتے ہیں کہاں رکھے جاتے ہیں

عبدالعزیز: مائی لارڈ پولیس کا محکمہ انتظامیہ ہے اس میں کئی خفیہ ہدایات ہوتی ہیں آپ کا محکمہ جوڈیشل ہے آپ کوئی بات خفیہ نہیں رکھتے۔

چیف جسٹس: مگر ایسے خطوط کی نقل تو ہونی چاہیے ہم تو ہر چیز واضح رکھتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر مائی لارڈ آپ دوسروں کے متعلق اپنی ذات کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں۔

چیف جسٹس: ہم سب کچھ دریافت کریں گے۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ اسی کی تو مجھے آپ کی ذات سے توقع ہے۔

چیف جسٹس: مسٹر سلیم کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ گجرات کے تھانہ میں کوئی ایک رجسٹر نہیں جس میں وہ خفیہ خطوط ہوں جو سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس رہتے ہوں۔

رپورٹنگ سسٹم

اس مرحلہ پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ کیا حکومت رپورٹنگ کے سسٹم کو بہتر نہیں بنا سکتی۔ تاکہ اس قسم کے الزامات کی نوبت ہی نہ آسکے۔

جسٹس رام لال: آج سے کچھ سال پہلے تو یہ سسٹم تھا کہ جب نوٹ بکیں رپورٹر کو دی جاتی تھیں تو ان کا باقاعدہ اندراج کیا جاتا تھا صفحے لگا کر دیے جاتے تھے نمبر لگائے جاتے تھے پھر جب تقریر رپورٹ ہو جاتی تھی تو اس نوٹ کو سر بمہر کر دیا جاتا تھا۔

چیف جسٹس: یہ سسٹم اچھا تھا، حکومت کو یہ سسٹم ضلع میں بھی رائج کرنا پڑے گا۔

سلیم: مائی لارڈ یہ ٹھیک ہے۔ (گواہ سے) جو چٹھیاں آپ نے اس مقدمہ میں نقل کی تھیں یا باقی جو چٹھیاں آپ نے رجسٹر میں دیکھیں تھیں بھی نقل کیا۔

گواہ : نہیں دوسری چھٹیاں پہلے مقدمات کے متعلق تھیں۔

پرسنل اسسٹنٹ کا خط

سلیم : جب آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ سچ بولیں گے تو اس سے پہلے ان چھٹیوں کی نقلیں آپ کے پاس تھیں۔

گواہ : جی ہاں میں نے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق اپنے پاس رکھی تھیں۔

چیف جسٹس : اگر یہ خط درست ہے تو یہ خط سپرنٹنڈنٹ پولیس نے وزیراعظم کے پرسنل اسسٹنٹ کو خط لکھا کہ تقریروں کے نوٹ بنا لیے گئے ہیں لیکن یہ وزیراعظم کا خط نہیں۔

میاں عبدالعزیز : جی ہاں یہ اس خط کی نقل ہے جو پرسنل اسسٹنٹ وزیراعظم کو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے لکھا۔

اس پر گواہ نے ایک نقل دکھائی جس میں ہدایت تھی کہ کسی با اعتبار رپورٹر کو کہو کہ اس کی تقریر نوٹ کر کے آپ کے سامنے پیش کرے ممکن ہو تو بہت کشادہ الفاظ لکھے جائیں۔

سلیم : یہ نقلیں لینے اور انھیں اپنے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی

ج : دوسرے مقدمات میں بھی یہی کرتا تھا۔

سلیم : آپ نے بیان کیا ہے کہ کچھ اور خط دیکھے ان کی نقلیں کیوں نہیں رکھیں؟

گوا لا : میں نے ان کی نقلیں نہیں لیں کیونکہ ان کا مطلب حل ہو چکا تھا۔ یہ ۱۹۳۸ء میں لکھی گئی تھیں اور ان کا وقت گزر چکا تھا۔

سلیم : کیا ان کا کام ختم ہو چکا تھا؟

گوا لا : نہیں۔

سلیم : تو پھر آپ نے انھیں کیوں نقل نہیں کیا؟

گوا لا : وہ میرے متعلق نہیں تھیں۔

جسٹس رام لال : وہ بھی تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے کیس کے متعلق تھیں پھر تم نے انھیں نقل کیوں نہیں کیا؟

گوا لا : وہ کام کسی اور کو کرنا تھا۔

سلیم : جب تمھیں پتہ تھا کہ وہ تمھارے متعلق نہیں تھیں تو پھر کیوں دیکھا؟

گوا لا : میں ریڈر کے پاس جاتا تھا جس پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ہدایت دیتے تھے کہ اسے دکھاؤ، ریڈر مجھے رجسٹر دے دیتا تھا اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر دوسرے کمرے میں چلے جاتے تھے اس لیے میں دوسرے مضمون بھی دیکھ لیتا تھا۔

بادل کس پر برسے گا

سلیم : آپ دوسرے خطوط کیوں دیکھتے تھے؟

گوا لا : اس لیے کہ یہ بادل مجھی پر برسنے والا ہے یا کسی اور پر؟ (قہقہہ)

سلیم : جس وقت آپ نے یہ نقلیں کی تھیں آپ کا ان کو استعمال کرنے کا ارادہ تھا یا نہیں ۔

ج : میرا کوئی خیال نہیں تھا کہ ان کا عدالت میں استعمال ہو سکتا ہے ۔

س : جب آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اس مقدمہ میں سچ بولوں گا تو کیا کسی کو بتایا کہ آپ اس مقدمہ میں جھوٹی شہادت نہیں دیں گے ۔

ج : میں نے کسی کو نہیں بتایا ۔

س : جب آپ نے شہادت دینی تھی اس وقت کسی کو بتا چکے تھے کہ میں جھوٹی شہادت نہیں دوں گا ۔

گواہ : میں استعفیٰ لکھ چکا تھا ۔

سلیم : میرا مطلب یہ ہے کہ کیا کسی کو بتا چکے تھے ۔

گواہ : نہیں، لیکن میں نے استعفیٰ لکھ دیا تھا ۔ اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز کچھ کہنے کے لیے اٹھے لیکن چیف جسٹس نے کہا مسٹر عبدالعزیز سلیم ابھی سوال دریافت کر رہے ہیں ابھی آپ کی ضرورت نہیں اس پر میاں عبدالعزیز بیٹھ گئے اور مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی ۔

مسٹر سلیم : (گواہ سے) کیا تم نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے ۔

ج : ایسا کون تھا جس کو بتاتا ۔

س : گویا جس دن آپ پیش ہوئے اس دن شاہ صاحب اور ان کے وکیلوں کو معلوم نہیں تھا کہ آپ استغاثہ کی حمایت میں شہادت نہیں دیں گے ۔

گواہ: میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔

جسٹس رام لال: جہاں تک تمہیں علم ہے کیا شاہ صاحب یا ان کے وکیلوں کو معلوم نہیں تھا کہ تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے۔

گواہ: نہیں۔

چیف جسٹس: کیا تم اتنی دیر تک سوچتے رہے کہ یہ سچ بولوں یا نہیں (قہقہہ)

گواہ: میں محض سوال کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

سلیم: عدالت میں شہادت دینے سے پہلے کیا آپ نے کسی کو کہا تھا کہ میں استغاثہ کے حق میں شہادت نہیں دوں گا۔

گواہ: نہیں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا۔

سلیم: شہادت دینے سے پہلے خطوط کی یہ نقلیں جو عدالت میں پیش ہیں کیا آپ کے پاس تھیں؟

گواہ: جی ہاں یہ میرے پاس تھیں۔

سلیم: یہ نقلیں آپ کے پاس کب سے تھیں؟

ج: جس دن میں نے ۱۰ دسمبر کو استعفیٰ لکھا تھا اس دن سے میری جیب میں ہیں تاکہ تسلی رہے۔

سلیم: جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے چند کاغذات دیوان چمن لال کو دئے وہ کیا تھے؟

گواہ: وہ ایک رقعہ تھا۔

سلیم: (ایک کاغذ دکھا کر) کیا یہی ہے۔

گواہ: جی ہاں۔

سلیم: کیا اس سلسلے میں شہادت سے پہلے ان سے ملے تھے؟

گواہ: نہیں۔ میں نے یہ چٹھی بھی عدالت کے کمرے میں لکھی تھی۔ اس مرحلے پر جسٹس رام لال نے گواہ کا پہلا بیان پڑھ کر سنایا جو اسی واقعے سے متعلق تھا

سلیم: آپ نے تو پہلے کہا تھا کہ آپ نے سارے کاغذات دیوان چمن لال کو دے دیے تھے

گواہ: نہیں۔

لنچ کے بعد بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی۔ آپ نے گواہ سے دریافت کیا۔ آپ نے گجرات میں اسے ڈی ایم کی عدالت میں شہادت دی کیا یہ درست ہے گجرات میں ٹیکسی پر پہنچے۔

ج: جی ہاں میں لاہور سے ٹیکسی پر آیا۔

س: کیا کرایہ ادا کیا۔

ج: جی ہاں ادا کیا۔ میں نے ۲۵ روپے ادا کیے۔

س: یہ روپے اپنی جیب سے خرچ کیے یا کسی سے لے کر۔

ج: اپنی جیب سے۔

س: یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ استعفیٰ دینے والے تھے اور آپ کی ملازمت ختم ہو جائے گی۔ آپ نے کیوں یہ خرچ کیا۔

ج: ملازمت کے وقت بھی میں گھر سے اپنے اخراجات کے لیے روپیہ منگوا لیتا تھا۔

س : اگر ٹرین کے ذریعے آتے تو کتنا صرف ہوتا۔

ج : بارہ آنے۔

س : ٹیکسی سے کیوں سفر کیا؟

ج : ۸ جنوری کو مجھے ریلوے اسٹیشن پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ جہلم سے تمھارے وارنٹ جاری ہوئے ہیں۔ تمھارے گھر ایک سپاہی بھیج دیا ہے جو تعمیل کرکے یہیں لائے گا۔ اسے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وارنٹ تعمیل کے بغیر ہی لے آئے۔ اس لیے فکر نہ کرنا۔

س : وارنٹ کس مطلب کا تھا۔

ج : احمد دین کے مقدمے کے خلاف مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ لمبا ہو رہا ہے اس لیے ہم نے تمھارے خلاف وارنٹ جاری کرا لیے ہیں۔ تاکہ عدالت کو دکھایا جائے کہ ہم اس مقدمے کے متعلق کس قدر محنت سے کام لے رہے ہیں۔

س : یہ وجہ تسلی بخش نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے ٹرین سے سفر کیوں نہیں کیا۔

ج : پولیس کے ڈر سے۔

س : ابھی آپ نے کہا تھا کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ کوئی فکر نہ کرو

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے یہ بھی کہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ جونہی چھٹی ملے فوراً چلے جاؤ تاکہ تمھاری غیر حاضری میں جعلی ڈائری تیار کی جائے۔

س : ٹیکسی کے لیے روپیہ کس سے لیا تھا؟ باپ سے یا ماں سے؟

ج : میں اپنے والد سے روپیہ منگواتا تھا۔
س : آپ کے والد کیا کام کرتے ہیں ؟
ج : زمینوں کی پٹہ داری کرتے ہیں ۔
جسٹس رام لال : آجکل کتنی زمین آپ کے باپ نے پٹے پر لی ہوئی ہے ۔
ج : قریباً آٹھ یا نو مربع زمین ۔
س : اس کے سوا آمدنی کا اور کیا ذریعہ ہے ؟
گوالا نا گاؤں میں اپنی دکان بھی ہے ۔
س : تو گویا تم اپنی آمدنی سے دس بارہ روپے زیادہ بھی خرچ کرتے تھے ۔
ج : جی ہاں ۔
س : پھر لاری پر کیوں نہیں گئے ٹیکسی پر کیوں گئے ؟
ج : لاری ایک تو وقت پر نہیں پہنچتی دوسرے خیال یہ تھا کہ ٹیکسی عدالت کے دروازے پر لے جائے گی ۔
س : جب یہاں شہادت دینے کے لیے آئے کہاں سے آئے ؟
ج : ہردوار سے آیا ۔
س : ہردوار کتنا عرصہ رہے ؟
ج : ڈیڑھ دو ماہ رہا ۔
س : ماتحت عدالت میں شہادت دینے کے بعد ہردوار چلے گئے ۔
ج : جی ہاں ۔ س : فوراً چلے گئے ؟
ج : نہیں ۔ شہادت دینے کے دوسرے دن ۔

س: کب واپس آئے؟

ج: کل ہی صبح کی گاڑی پر۔

س: اس دوست کو جس کا نام آپ نہیں جانتے اور جسے آپ خواجہ کہتے ہیں وہ آپ کو ہردوار میں ملا تھا یا کسی اور جگہ۔

گواہ: نہیں، وہ مجھے لاہور میں ملا تھا۔

سلیم: تو آپ اس سے پہلے اس سے نہیں جانتے؟

گواہ: جانتا ہوں   س: کب سے؟

" : بیس پچیس روز سے۔

س: آپ کہتے ہیں کہ آپ ہردوار میں ہی ڈیڑھ دو ماہ رہے پھر وہ آپ سے کب ملا؟

ج: وہ ایک محکمہ میں ملازم ہے اور ہردوار کی طرف ہی ملازم ہے۔

س: تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کو وہاں ہی ملا۔

ج: جی ہاں ریلوے اسٹیشن پر ملا۔ وہ ہردوار کے نزدیک ایک اسٹیشن پر ملازم ہے لیکن پنجاب کا رہنے والا ہے۔

س: اس سے کب واقفیت ہوئی؟

ج: اکثر وہاں ملتا رہتا تھا؟

س: وہ کس اسٹیشن پر ملازمت کرتا ہے۔

ج: اس نے مجھے رائے سی اسٹیشن بتایا تھا۔

س: کیا وہ ہردوار سے آپ کے ساتھ آیا؟

ج : نہیں وہ پہلے چھٹی پر لاہور آیا تھا۔

س : جب آپ یہاں آئے تو کیا آپ نے اس کے ملنے کا وقت مقرر کر لیا تھا

ج : میں نے اسے کہا تھا کہ ہائی کورٹ میں میری شہادت ہوگی اس لیے وقتاً فوقتاً پتہ کرتے رہنا۔

جسٹس رام لال : گویا تم اخبار پڑھتے رہے کہ تم نے مقدمہ میں پیش ہونا ہے۔ گواہ : جی ہاں۔

جسٹس رام لال : گویا تم اخبار میں پڑھتے رہے کہ تم نے مقدمہ میں پیش ہونا ہے

گواہ : جی ہاں۔

سلیم : کیا آپ نے خواجہ کو کہا تھا کہ وہ آپ کو بتائے کہ اس مقدمہ میں آپ کی شہادت کب ہوگی؟ گواہ : نہیں۔

س : ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ میں نے اسے کہا تھا کہ میرا خیال رکھنا کہ میری شہادت کب ہوگی۔

گواہ : نہیں میں نے محض یہ کہا تھا کہ وہ دیکھے میری شہادت کب ہوگی

س : کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ تمہیں ملے۔ ج : نہیں۔

س : کیا آپ نے عام طور پر لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ میں ہردوار جا رہا ہوں

ج : میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا میں تو اپنی جان بچا کر جا رہا تھا۔

س : آج آپ نے بیان دیا ہے کہ جب ستمبر میں مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کے خلاف مقدمہ چلایا جانے والا ہے تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سچ بولوں گا۔ لیکن ماتحت مجسٹریٹ کی عدالت میں کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ ایک بے گناہ کو

پھنسایا جارہا ہے تو سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

س : ان دونوں بیانات میں سے کونسا درست ہے ؟

ج : مجھے ہمیشہ یہ خیال آتا رہتا تھا کہ سچ بولوں ۔

س : (چند کاغذات دکھا کر) آپ نے جو لانگ ہینڈ نوٹ تیار کیے تھے کیا یہ اسی کی کاپی ہے ۔ ج : جی ہاں ۔

س : اس کا اصل کہاں ہے ؟

ج : میں کہہ چکا ہوں کہ اصل پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس ہے ۔

س : سوال یہ ہے کہ جب اصل لانگ ہینڈ نوٹ جو آپ نے کل کے بیان کے مطابق خط کشیدہ کر کے آپ کو دکھایا تھا اور اسے دیکھنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس نے رٹیڈ کر دے دیا تھا تو کیا اسے دوبارہ دیکھا تھا ۔

ج : نہیں میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا ۔

س : آپ کہتے ہیں کہ کورٹ انسپکٹر نے کہا تھا کہ اس کی نئی کاپی بنائی جائے تاکہ اس پر گواہوں کے دستخط کرائے جائیں ۔ یہ کب ہوا ؟

ج : ۲۸۔ دسمبر کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر

س : اس وقت اس کے پاس اصل نہیں تھے ۔

ج : نہیں مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا ۔

س : کیا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کا اصل کہاں ہے ؟

ج : یہ سوال پیدا ہوا تھا ۔

س : انھوں نے کیا کہا تھا کہ اصل کہاں ہے ۔

ج: انھوں نے کہا کہ وہ اس وقت موجود نہیں۔ اگر ہوتا تو نقل بنالی جاتی۔
تھانہ میں رٹیڈر کے پاس کل تمھاری حاضری ہے اس لیے واپس ہو جاؤ۔
س: تو پھر اصل کو نئے سرے سے بنانے اور گواہوں کے دستخط بنانے کی
تجویز کیوں رہ گئی۔ کیوں اس پر عمل نہیں کیا گیا۔
ج: میں نے فیصلہ کیا تھا کہ سچی شہادت دوں گا اس لیے میں کترا تا تھا کہ دوبارہ
نہ بنائی جائے۔
س: کیا آپ نے کورٹ انسپکٹر کو کہا تھا کہ میں یہ کرنے کے لیے تیار نہیں
ج: میں نے نہیں کہا تھا۔
س: کیا کہا تھا کہ میں آمادہ ہوں۔
ج: میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتا گیا۔ میں منہ سے تو ہاں کرتا رہا لیکن دل
سے رضامند نہیں تھا۔
س: تو ۲۰۔ دسمبر کو کیا فیصلہ ہوا تھا۔ ج: یہ کہ میں واپس چلا جاؤں۔
س: تو پھر یہ کب تیار کی جانی تھی۔ ج: دو چار دن کے بعد
س: کیا پھر اس کے متعلق آپ کو بتایا گیا۔
ج: مجھے پتہ نہیں۔ کیونکہ میں گاؤں میں نہیں تھا۔
س: کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اصل آپ نے تلف کیا۔
ج: نہیں، یہ درست نہیں۔
س: جب آپ ماتحت عدالت میں شہادت دینے کے لیے آئے کیا آپ سے
پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے پوچھا کہ اصل کہاں ہے؟

ج : نہیں مجھ سے نہیں پوچھا۔
س : عدالت میں پیش ہونے سے پہلے بھی نہیں پوچھا گیا ۔ ج : نہیں ۔
س : کیا کورٹ انسپکٹر کو امید تھی کہ آپ استغاثہ کی طرف سے شہادت دیں گے اور آپ نے اصل بھی تیار کر لی ہے ۔
اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے کہا کہ میں نے اپنی جرح ختم کر لی ۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

مسٹر سلیم کی جرح کے بعد صفائی کے چیف وکیل میاں عبدالعزیز نے فاضل ججان کی اجازت سے جرح شروع کی ۔
عبدالعزیز : کیا آپ ۱۱ مئی کو حاضر عدالت ہوئے تھے ۔ ج : جی ہاں ۔
س : کیا جنوری سے پہلے آپ نے رخصت لی ہوئی تھی ۔ یہ رخصت کب ختم ہوئی ۔ ج : جی ہاں یہ رخصت ۳ ۔ دسمبر کو ختم ہوئی ۔
س : پھر ۳ ۔ دسمبر کو کتنی چھٹی لی ۔ ج : پندرہ دن ۔
س : ۱۸ ۔ دسمبر کے بعد یعنی یہ رخصت ختم ہونے پھر کب اور کتنی رخصت لی ۔
ج : ۱۸ ۔ دسمبر کو بذریعہ تار دس دن کی چھٹی لی ۔ یہ رخصت ۲۸ ۔ دسمبر کو ختم ہو گئی ۔ ایک اور سوال کے جواب میں بتایا کہ رخصت ختم ہونے پر میں گجرات روانہ ہوا ۔ اس روز مجھے پھر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ چھٹی لے لو ۔ انھوں نے کہا تھا کہ دس دن کی چھٹی لو ۔ اور یہاں سے چلے جاؤ ۔ ۸ ۔ جنوری کو رخصت ختم ہوئی تو میں ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے لیے ٹرین کے ذریعے لاہور سے گجرات گیا ۔

جب وزیر آباد پہنچا تو مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ملا ۔ ملنے کے وقت میں ٹرین پر ہی تھا۔ س : لاہور سے کہاں تک کا ٹکٹ تھا ۔

ج : گجرات ۔ مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد سے ہی کہہ دیا تھا کہ واپس لاہور چلے جاؤ ۔ اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے کہا ہمارا کیس یہ ہے کہ ایک طرف پولیس جعلی لانگ ہینڈ نوٹ تیار ہی تھی دوسری طرف مقدمہ کو لمبا کیا جا رہا تھا ۔ اور اس کے لیے گواہ کو کہا جا رہا تھا کہ وہ لمبی رخصت لے لے چنانچہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اسے کہا کہ وہ وزیر آباد سے ہی واپس آجائے ۔

س : وزیر آباد سے ٹکٹ کس نے لے دیا تھا ۔

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مجھے ٹکٹ خرید کر دیا تھا ۔

س : کیا اس سے پہلے آپ کو یہ علم ہو چکا تھا کہ پولیس ایک طرف آپ کے وارنٹ حاصل کر چکی ہے اور دوسری طرف لانگ ہینڈ نوٹ تیار کر کے دستخط کرانا چاہتی ہے ۔ ج : جی ہاں مجھے یہ علم تھا ۔

س : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد میں جو ٹکٹ خرید کر دیا تھا کیا اس کا نمبر لے کر رکھا ہوا ہے ۔

ج : جی ہاں ! اس کا نمبر میرے پاس ہے ۔ یہ کہہ کر گواہ نے ٹکٹ کا نمبر پڑھ کر بتایا ۔ ۵۵۹۶۶ ۔ ۸ جنوری ۱۹۴۰ء ۔

س : یہ نمبر کیوں رکھا ۔

ج : اس لیے کہ جب جاؤں تو غیر حاضری کے الزام میں حراست میں نہ لے لیا جاؤں ۔ میرا گجرات جانے کا ارادہ تھا مگر وزیر آباد میں مجھے پراسیکیوٹنگ نے

واپس کر دیا۔
س : آپ کو پتہ تھا کہ ایک طرف آپ کو واپس بھیج رہے ہیں اور دوسرے آپ کو خیال تھا کہ غیر حاضر قرار دے کر کارروائی نہ کریں تو آپ نے پراسیکوٹنگ انسپکٹر سے تحریر کیوں نہ حاصل کرلی کہ آپ کو وہ واپس بھیج رہے ہیں۔
ج : اگر میں تحریری حکم کے لیے کہتا تو مجھے ڈر تھا کہ پتہ نہ ہو جائے۔
س : کیا پراسیکوٹنگ انسپکٹر سے آپ نے پوچھا تھا کہ چھٹی کی نسبت کیا کیا جائے۔
ج : جی ہاں انھوں نے کہا کہ لاہور میں یا کسی اور جگہ جا کر جھوٹا سرٹیفکیٹ حاصل کرو۔

جھوٹا سرٹیفکیٹ

س : کیوں میڈیکل سرٹیفکیٹ کے لیے کہا۔
ج : اس لئے کہ میں اپنی بیوی کی بیماری کے متعلق دو دفعہ تار بھیج چکا تھا۔ اگر پھر تار بھیجتا تو یہ سمجھا جاتا کہ بیوی لگاتار بیمار ہی رہتی ہے۔ (قہقہہ) اس لیے انھوں نے ہدایت کی تھی کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر بھیجا جائے۔
س : کیا لاہور سے تم نے کوئی تار بھیجا۔
ج : جی ہاں۔
س : سرٹیفکیٹ بھی۔
ج : جی ہاں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجا ہے۔

س : وہ جھوٹا تھا یا سچا تھا ۔ ج : غلط تھا ۔

س : کیا خرچ ہوا ۔ ج : تین روپے (قہقہہ)

جسٹس رام لال : میرا خیال تھا کہ سوسوا سو روپے صرف ہوئے ہوں گے ۔ (قہقہہ)

عبدالعزیز : مائی لارڈ! آجکل ایسے ڈاکٹر بھی ہیں جو صرف آٹھ آنے میں سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں ۔ (قہقہہ)

س : ڈاکٹر کو کیا بیماری بتلائی ۔ ج : پیچش اور بخار ۔

س : چیف جسٹس : سرٹیفکیٹ پولیس کو بھیج دیا تھا ۔

ج : جی ہاں ۔ بذریعہ ڈاک ۔

س : پھر گیارہ جنوری کو کیوں گئے ۔

ج : اس لیے کہ میری غیر حاضری کی وجہ سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا کیس لمبا کیا جا رہا تھا ۔

میاں عبدالعزیز : پولیس کو شبہ تھا کہ گواہ غلط رویہ اختیار کر رہا ہے اس لیے اس مقدمے کو لمبا کیا جائے تاکہ اسے دوبارہ Won over کیا جائے ۔

چیف جسٹس : یہ کوئی دلیل نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : جب آپ گیارہ جنوری کو گجرات میں گئے تو آپ کو پتہ ہو چکا تھا کہ پولیس آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے

ج : جی ہاں ۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ۱۱ جنوری

جب میں گجرات گیا تو کار سیدھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ تاکہ مجھے گرفتار نہ کیا جا سکے۔

س: جب کمرے میں داخل ہوئے تو دیوان چمن لال موجود تھے۔ کیا آپ نے ان کو یہ رقعہ اور استعفے دیا۔ ج: جی ہاں۔

س: کیا اس دن اس عدالت میں وہاں میں بھی موجود تھا۔

ج: جی ہاں۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ مجھے ڈر تھا پولیس گرفتار کر لے گی۔ اس لیے میں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ سب جیل میں جہاں کورٹ روم میں میرا بیان ہونا ہے مجھے حفاظت سے پہنچا یا جائے تاکہ پولیس مجھے گرفتار نہ کرے۔ ہمارے ہمراہ سب جیل میں دیوان چمن لال اور میاں عبدالعزیز بھی گئے۔ اس میں تقریباً پانچ دس منٹ لگے ہوں گے۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی جب مجھے بلایا گیا تو دیوان چمن لال نے وہ استعفے جو میں نے انھیں دیا تھا عدالت کی موجودگی میں مجھے واپس کر دیا۔ جب میں نے استعفے اور رقعہ دیوان چمن لال کو دیا تھا تو بھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے اُن کی موجودگی میں دیا تھا۔

جس وقت وہاں میرا بیان ہوا۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سردار ایکھگت سنگھ مجسٹریٹ کی آمد سے پہلے بھی کورٹ روم میں موجود تھے۔ سردار بھگت سنگھ سے اس وقت میری گفتگو نہیں ہوئی۔ نہ ہی اس سے پہلے میں انھیں ملا۔

س: کل آپ نے ایڈووکیٹ جنرل کے جواب میں کہا تھا کہ ۲۸۔ جون کو جب سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کا لیکچر ہونا تھا۔ مجھے ٹیلیفون پر بلایا گیا تھا۔ کیا آپ نے اس وقت کوئی اندراج کیا تھا کہ میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے فون آنے پر جا رہا ہوں۔

ج: جی ہاں میں نے سٹی پولیس کے روزنامچہ میں اندراج کیا۔ میں نے یہ اندراج محرّر کانسٹیبل سے کرایا۔ ساڑھے چار اور پانچ بجے شام کے درمیان ایک تقریر کے نوٹ لیے اور اس کے بعد رات کو۔ دوسری تقریر کے بعد مجھے پتہ لگا کہ دوسرے دن ایک اور بھی جلسہ ہونا ہے اور اس کے نوٹ میں نے لینے ہیں۔ اس لیے میں وہاں ہی ٹھہر گیا۔ اور لالہ موسیٰ کی واپسی پر ہی رپورٹ درج کرائی۔

س: آپ کو حکم تھا کہ گجرات میں واپسی پر فوراً ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس جاؤ اور نوٹ پیش کرو تو پھر ۲۹ کی شام کو یا ۳۰ کی صبح کو گجرات پہنچ کر آپ فوراً ہی ان کے پاس کیوں نہ گئے۔

ج: میں ۲۸۔ جون کی رات کو جاگتا رہا۔ نیز مجھے ہدایت تھی کہ لایا گیا تھا نائب محرّر لالہ موسیٰ کو ساتھ لانا اس لیے میں گجرات پولیس اسٹیشن پر اس کا انتظار کرتا رہا، وہ وقت پر نہ آیا۔ ایک اور سوال پر کہا کہ وہ دو بجے بعد دوپہر تک نہیں آیا تھا

س: آپ نے کہا تھا کہ جب تین چار بجے کے قریب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر پہنچ گئے تو چھ سات گھنٹے لگے۔ اتنی دیر کیوں لگی۔

ج : اس لیے کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر مجھے نئی ڈائری لکھاتے تھے کبھی کبھی تھوڑا سا لکھا کر کاغذ کو دیکھتے تھے، غور کرتے اور لکھاتے۔ میں نے ان سے نہیں کہا کہ جلدی کی جائے۔

اعلیٰ افسران کے خفیہ راز

س : آپ سترہ روپے کے کانسٹیبل تھے اس لیے سپرنٹنڈنٹ پولیس کس طرح گوارا کرتے تھے کہ خفیہ چٹھیاں اور ان کے راز آپ بھی دیکھ سکیں

ج : خفیہ رجسٹر تو سب انسپکٹروں کو بھی نہیں دکھائے جاتے تھے ان پر بھی میرے اندراج ہیں۔

س : رجسٹر ہے کیا ہے۔

ج : اس کے چار حصے ہیں۔ ایک حصے میں خفیہ ہدایات تھیں۔

جسٹس رام لال : یہ کوئی وجہ نہیں۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) لیکن آپ سترہ روپے کے کانسٹیبل تھے آپ پر اتنا اعتبار کیوں تھا۔

ج : سپرنٹنڈنٹ پولیس کے تمام اخراجات میرے ہاتھوں سے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ میں ان کے لیے پانچ پانچ چھ سو کا کپڑا لاہور مال روڈ سے لے آتا تھا۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ٹھیک جواب ہے کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس سرکار کے خفیہ راز ایک کانسٹیبل کو بتا سکتا ہے۔

میرے خیال میں یہ بہت کمزور جواب ہے۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا یہی ایک وجہ تھی۔

ج: اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ مجھے کاغذات اس لیے دکھائے جاتے تھے کہ اچھی طرح سے تسلی کر سکے۔

چیف جسٹس: یہ ٹھیک جواب نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی موزوں وجہ بتائی جائے۔

جسٹس رام لال: اگر ایک شخص کسی افسر کی گھر کی اشیاء لائے اس پر اتنا اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ وہ خفیہ دستاویز دکھادے۔

مسٹر عبدالعزیز: آپ اس سے پوچھیں کیا کوئی اور وجہ بھی ہے۔

چیف جسٹس: ہم بھی اپنے بیرہ کی معرفت گھر کی اشیاء منگواتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بھی اپنے بیرہ کو اس طرح خفیہ دستاویز اور خفیہ راز بتا سکتے ہیں۔ (قہقہہ)

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا اس کی کوئی اور وجہ بھی تھی۔

ج: جی ہاں۔ کچھ دنوں سے ان کے متعلق افواہیں پھیل رہی تھیں کہ وہ رشوت لیتا ہے۔ اور تقریریں بھی ہوئیں۔ میں ان کے نوٹ لیتا تھا۔ جب میں نے انھیں جاکر دکھایا تو وہ اس وقت تو خاموش رہے لیکن بعد میں کہا کہ کوئی ایسا انتظام کرو جس سے میری ریپوٹیشن ٹھیک ہو جائے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی پیدائش کی تاریخ، جگہ اور اپنے کاموں کے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون بنا کر دیا۔ میں نے وہ گجرات کے ایک اخبار "آفتاب"

میں بڑی خوشامد سے شائع کرایا۔

بینڈ اور گولوں سے جلوس

اس کے بعد ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس چھٹی پر کشمیر گئے۔ جاتی دفعہ مجھ سے کہہ گئے کہ واپسی میرے استقبال کا اہتمام کرنا۔ استقبال کے لیے پبلک کا انتظام بھی کیا اور گولوں اور بینڈ کا بھی۔ چنانچہ جب وہ واپس آئے تو چوک میں اور بعد میں ان کی کوٹھی پر گولے چھوڑے گئے اور بینڈ بھی بجایا گیا۔ اس کے علاوہ میں وزیر آباد سے ہار لایا اور پبلک کے آدمیوں کو دیے کہ وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گلے میں ڈالیں۔ (قہقہہ)

بم یا گولے اس مرحلے پر ایک دلچسپ واقعہ ہوا جب میاں عبدالعزیز انگریزی میں جواب لکھوا رہے تھے تو انھوں نے گولے کی جگہ لفظ بم استعمال کیا۔ اس پر ایک قہقہہ اور بلند ہوا۔

س: سپرنٹنڈنٹ پولیس کب رخصت سے واپس آئے۔

ج: مجھے ٹھیک یاد نہیں غالباً اگست کے اخیر یا ستمبر کے اوائل میں۔ ان کے استقبال پر جو اخراجات ہوئے ان کی فہرست میری نوٹ بک میں جو کھاریاں میں میرے بکس میں پڑی ہوئی ہے موجود ہے۔ ادائیگی انھوں نے ہی کی تھی لیکن تفصیل میں نے لکھ لی تھی۔

س: یہ تو اگست یا ستمبر کی بات ہے لیکن رجسٹر دیکھنے کا واقعہ جون کا ہے

ج: میں تو محض یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان پر میرا اعتبار تھا۔

جسٹس رام : لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ خفیہ رجسٹر ایک عام کانسٹیبل کو دکھائے جاتے تھے ۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ ! آخر کوئی نہ کوئی اعتماد میں لیا جاتا ہے ۔

جسٹس رام لال : لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ محض رپورٹر ہونے سے اسے اعتماد میں لے لیا گیا ہو ۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز آپ کوئی اور وجہ دریافت کریں ۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ لوگ کہتے تھے تم ایس پی کو رشوت دلاتے ہو ۔

جسٹس رام لال : یہ تو گواہ کے خلاف جائے گا ۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز : آپ یہ سوال دریافت کریں کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے گواہ کو ہدایت کی تھی کہ اس کے لیے رشوت کا انتظام کرایا جایا کرے

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ مجھے ایک دو سوال کرنے دیں ۔

جسٹس رام لال : آپ ایسے سوال دریافت کریں جو Admissible ہوں ۔

میاں عبدالعزیز : اگر آپ اجازت دیں تو میں دوسرا سوال دریافت کروں ۔

چیف جسٹس : ہاں دریافت کریں ۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ تم مسٹر بہار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کے لیے رشوت کا انتظام کرتے تھے ۔

ج : جی ہاں ۔

میاں عبدالعزیز: مسٹر برار کے خلاف پچھلے دنوں تحقیقات ہوئی اور کیا آپ کی موجودگی میں شہادتیں ہوئیں۔

چیف جسٹس: معاملہ عجیب ہے کہ اس شخص نے چھوٹے سے کیریر میں اتنا کام کیا۔ (قہقہہ)

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! کسی لوگوں کی خدمات ہی اسی لیے حاصل کی جاتی ہیں۔ (قہقہہ)

مسٹر جسٹس رام لال: (گواہ سے) کیا ملازمت سے پہلے تم مسٹر برار کو جانتے تھے۔ ج: نہیں۔

جسٹس رام لال: ان سے پہلے کب ملاقات ہوئی۔

ج: جب وہ انبالہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے میں ۳۶ء میں انھیں ملا۔

جسٹس رام لال: کیا ملازمت میں شامل ہونے سے پہلے۔

ج: جی ہاں۔ میرے پاس میجر گلشیر خاں کی سفارشی چٹھی تھی۔

جسٹس رام لال: کیا مسٹر برار نے گواہ کی کوئی امداد کی تھی۔

ج: نہیں۔ میں خود ملازم ہو گیا تھا۔

جسٹس رام لال: تو اس ملازمت میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

ج: نہیں۔

جسٹس رام لال: انبالہ سے وہ کب تبدیل ہوئے۔

ج: ۱۹۳۸ء میں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس وقت گجرات میں تھا لیکن کسی تھانہ میں تعینات نہیں تھا۔ "جنرل" میں تھا۔

جسٹس رام لال: جنرل ڈیوٹی میں تھے۔ تو ان سے ذاتی تعلقات کب قائم ہوئے۔

جواب: جب انھوں نے رپورٹر کی ڈیوٹی پر لگایا اس دن سرکاری طور پر ملاقات ہوئی۔ س: کس مہینے میں۔

ج: نومبر یا دسمبر ۱۹۴۸ء میں۔

س: گجرات میں مسٹر برار کو ملازم ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی۔

ج: تین چار ماہ۔

س: مسٹر برار نے کب کہا کہ میرے لیے رشوت کا انتظام کرو؟

ج: گجرات میں آنے کے آٹھ نو مہینے بعد یعنی میری ملازمت کے چار پانچ ماہ بعد غالباً اپریل میں۔

جسٹس رام لال: کیا رشوت میں تمھارا بھی حصہ تھا۔

ج: میں بتا سکتا ہوں بشرطیکہ مجھے پروٹیکشن دی جائے۔

جسٹس رام لال: تمھیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اس سوال کا جواب دو۔ گواہ ہر بار پروٹیکشن مانگتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اس لیے کرتا ہو کہ جواب دینے کے لیے غور کر سکے۔

لدھا رام: جی ہاں میرا بھی حصہ تھا۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز گواہ سے دریافت کریں کہ کیا وہ مسٹر پریتم سنگھ برار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کی کوئی اور بھی خدمت کرتا تھا۔

لدھا رام: جی ہاں۔ میں ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کی تعمیل کرتا تھا۔

لدھا رام کی ضمانت کی توسیع

کارروائی ملتوی ہونے سے پہلے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے کورٹ سے درخواست کی کہ چونکہ لدھا رام پر جرح ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اس لیے عارضی ضمانت کی توسیع کی جائے۔ اس ضمانت کی میعاد آج ختم ہونی تھی۔ فاضل ججان نے یہ درخواست منظور کر لی اور کارروائی ملتوی کر دی گئی۔

خفیہ رجسٹر کے پھاڑے ہوئے ورق

لاہور ۴۔ اپریل۔ ایک دن وقفے کے بعد آج پھر سید عطاء اللہ شاہ کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ آج لدھا رام کے علاوہ مسٹر این۔ ڈی۔ ٹی اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات اور خان صاحب میاں عبدالحکیم پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعظم پنجاب کی شہادتیں ہوئیں۔ لدھا رام پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز کی جرح کے بعد مسٹر سلیم نے جوابی جرح کی اس کی عارضی ضمانت میں مزید ایک دن کی توسیع کر دی گئی۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) دستاویز 2/2 P.W (کاربن پیپر پر لانگ ہینڈ نوٹ بک) کو دیکھ کر بیان کریں کہ کیا یہ ساری تحریر آپ کے قلم کی ہے۔

لدھا رام: نہیں یہ ساری تحریر میرے قلم کی نہیں۔

س: کہاں سے کہاں تک آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ج: اس میں کئی حصے میرے ہاتھ کے اور کئی حصے صاحب خاں محرر کانسٹیبل

لالہ موسیٰ کے ہاتھوں کے۔

جسٹس رام لال : جو حصے تمھارے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ان پر سرخ لکیر کا نشان کنارے پر کردو۔ گواہ نے نشانات لگا دیے

س : یہ دوسرے جو راجا خاں کے لکھے ہوئے ہیں یہ کہاں لکھے گئے؟

ج : ۳۰۔ جون کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر میری موجودگی میں۔

جسٹس رام لال : کیا وجہ ہے کہ کچھ حصے تمھارے ہاتھ کے ہیں اور کچھ راجہ خان ؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق راجہ خاں لالہ موسیٰ سے گجرات گیا تھا۔ اور چونکہ اس نے اس پر دستخط کرانے کے لیے گواہ لانے تھے انسپکٹر نے سوچا کہ اسے بھی ملا لیا جائے تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔

جسٹس رام لال : میاں عبدالعزیز تو مطلب یہ ہوا کہ راجہ خاں سے اس لیے لکھائے گئے کہ وہ راز ظاہر نہ کر سکے۔

میاں عبدالعزیز : جی ہاں۔ (گواہ سے) کیا آپ کے سامنے اصل پر ۳۰۔ جون کو کسی گواہ کے دستخط کرائے گئے۔

ج : نہیں میرے سامنے دستخط نہیں کرائے گئے۔

چیف جسٹس : تو اصل کا کیا بنا؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ وہ جواب دے چکا ہے کہ وہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دے چکا تھا۔

سلیم : گواہ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ اس نے اصل واپس دیے اور پھر لیے

میاں عبدالعزیز : ۳۰۔ جون کو اصل کی کاپی کہاں گئی؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس۔

میاں عبدالعزیز : جو روزنامچہ ۲۴۔ دسمبر کا ہے اس میں سب انسپکٹر لالہ موسیٰ نے لکھا ہے۔ کیا آپ اصل کاپی لے گئے۔

ج : جی ہاں میں اصل لے گیا۔

س : اسے آپ نے کیا کیا؟

ج : میں دو تقریروں کی کاپیاں لایا تھا ایک شہزادہ آزاد کی اور دوسری بخاری صاحب کی۔ شہزادہ کی کاپی عدالت میں پیش کی گئی اور بخاری صاحب کی کاپی کے متعلق حکم دیا گیا نقل کرنے کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے کی جائے۔

س : کیا اصل کاپی پر چاروں گواہوں کے دستخط آپ کی موجودگی میں لیے گئے۔

ج : مقبول حسین ہیڈ کانسٹیبل جو تین چار روز بعد آیا اس کے دستخط میرے سامنے ہوئے۔ باقی دستخط جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں جعلی تھے۔

س : اس کاپی کو پھر دیکھ کر بتائیں کہ سب انسپکٹر کے دستخط جو سب سے آخر میں ہیں آپ کے سامنے کیے گئے۔

ج : نہیں۔

س : میاں عبدالعزیز : آپ نے کہا تھا کہ جعلی نوٹ بناتے وقت کچھ حصہ سید بخاری کی تقریر کا شہزادہ آزاد کے نوٹوں میں ڈالا گیا۔ اس دن آپ

پورا بیان نہیں دیا۔ آج میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیوں کیا گیا؟

ج: اس لیے کہ اس تقریر کے کچھ الفاظ لے کر کچھ حصّے اپنے پاس سے ملا کر دوسری تقریر میں ڈالے گئے اس طرح اسے مکمل کیا گیا۔

چیف جسٹس: میاں عبدالعزیز یہ کوئی جواب نہیں۔ آپ ایسا سوال پوچھیے کہ گواہ پورا جواب دے۔

میاں: میرا سوال یہ ہے کہ ایک تقریر کے کچھ حصّے نکال کر دوسری تقریر میں کیوں ڈالے گئے۔

گواہ: اس کا جواب پبلک ایکیوٹنگ انسپکٹر ہی دے سکتے ہیں

چیف جسٹس: اس سے پوچھیے کہ کیا وہ خود کوئی مطلب نہیں سمجھ سکا۔

میاں: (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کونسا فقرہ ایک تقریر سے نکال کر دوسری تقریر میں ڈالا گیا۔

ج: اگر اس کے ساتھ شہزادہ کی تقریر ہوتی تو میں بتا سکتا۔

میاں: (گواہ سے) دستاویز ۲/۴۴ کو اچھی طرح دیکھ کر بتائیں کہ اس پر گواہوں کے دستخط جو سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے آخر میں ہیں یہ اصلی ہیں یا جعلی۔

ج: مقبول حسین شاہ کے دستخط اپنے ہیں باقی کے دستخط بنائے گئے ہیں

س: کب بنائے گئے؟

ج: مقبول کے دستخط کرانے کے بعد بنائے گئے۔

س: ان میں سے کوئی آپ کے ہاتھ کا بھی ہے؟

ج : جی ہاں رولدو سنگھ کے دستخط میرے ہاتھ کے ہیں۔

چیف جسٹس : اس سے پوچھیے کہ رولدو سنگھ کیوں کیے جب کہ رولدو سنگھ آ کر دستخط کر سکتا تھا اس پر میاں عبدالعزیز نے بھی سوال کیا۔

ج : میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ رولدو سنگھ سے دستخط کیوں نہیں کرائے گئے

ج : رولدو سنگھ اس ڈائری پر دستخط کر چکا تھا جو جلائی جا چکی تھی۔ اس لیے اس کے دستخط بنائے گئے تاکہ راز ظاہر نہ ہو۔

چیف جسٹس : کیا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے تم سے مشورہ لیا تھا ؟

ج : جی ہاں۔ اس نے یہ کہا تھا کہ تم دستخط کر دو کہ قبل از وقت راز ظاہر نہ ہو۔

جسٹس رام لال : آخر رولدو سنگھ کو بلانا ہی تھا کیا اس وقت راز ظاہر نہ ہوتا۔

چیف جسٹس : میاں عبدالعزیز آپ کا کیس ہے کہ پولیس جو چاہے گواہوں سے کرا لیتی ہے۔ کیوں نہ رولدو سنگھ کے دستخط کرا لیے۔ اس سے تو ہم متاثر نہیں ہوئے۔

جسٹس رام لال : اگر آپ کے بیان کے مطابق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے ڈائری بنائی تھی تو اسے اتنی سمجھ تو ضرور ہو گی۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ ! میں یہ واضح کر دوں گا کہ یہ ڈائری اس وقت تیار کی گئی جب رولدو سنگھ حاضر نہیں تھا۔ اس لیے اس خیال سے جعلی دستخط

بنائے گئے کہ اگر واپس آ گیا تو وہ تائید کر دے گا کہ یہ میرے ہی ہیں۔

جسٹس رام لال: مگر اسے لالہ موسیٰ سے بلایا جا سکتا تھا۔ آنے میں بیس پچیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔

میاں عبد العزیز: (گواہ سے) کیا یہ کاپی ۳۰ جون کے بعد بھی آپ کے ہاتھ میں آئی۔

ج: جی ہاں اکثر میرے ہاتھوں میں آئی۔

س: کیوں۔

ج: پختہ جواب مجھے یاد نہیں۔ شاید آتی رہی ہو۔

چیف جسٹس: میاں عبد العزیز آپ جرح میں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

میاں: میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دستاویز بنائی گئی۔

چیف جسٹس: مسٹر سلیم مانتے ہیں کہ یہ گواہ ناقابلِ اعتبار ہے پھر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

میاں عبد العزیز: ان ہدایات کے متعلق جو اسے بھیجی گئیں۔

چیف جسٹس: آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گواہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اور استغاثہ بھی یہی کہتا ہے پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

سلیم: مائی لارڈ میرا کیس ہے کہ گواہ کا پہلا بیان درست ہے۔

چیف جسٹس: اس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ مسلمہ جعل ساز دروغ باف اور ٹاؤٹ ہے۔ اگر یہ گواہ سچ بول رہا ہے تو میں نے اپنے سالہ سے تجربے میں ایسا گواہ نہیں دیکھا۔ (قہقہہ)

خفیہ رجسٹر کے صفحات

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسے ہدایات کی گئیں۔

چیف جسٹس: مگر گواہ جس رجسٹر سے یہ بیان کردہ ہدایات نقل کرنا بیان کرتا ہے استغاثہ کا بیان ہے کہ ایسا کوئی رجسٹر ہی نہیں۔

میاں عبدالعزیز: اس خفیہ رجسٹر کے کچھ صفحے اس کے پاس ہیں۔

چیف جسٹس: ہاں یہ آپ بیشک ثابت کریں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا آپ کے پاس خفیہ رجسٹر کے وہ صفحات جن پر سے آپ نے ہدایات نقل کیں۔

ج: جی ہاں۔ یہ کہہ کر اس نے دو کاغذات جیب سے نکال کر پیش کیے

چیف جسٹس: تو یہ خفیہ رجسٹر ہے (قہقہہ)

گواہ: نہیں جناب۔ یہ دو ورقے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ میں یہ دریافت کرتا ہوں (گواہ سے) انھیں دیکھ کر بتاؤ کہ یہ سارے ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے ہیں۔ یا دوسرے کے بھی؟

ج: ایک ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔

س: اس کا نام کیا ہے؟

ج: غلام حسین اسسٹنٹ سب انسپکٹر ریڈ ریسرنٹنڈنٹ پولیس گجرات۔

اسی دوران میں لدھا رام پر جرح جاری رہی۔ جسٹس رام لال نے پوچھا:
کون ریڈر تھا جو تمھیں رجسٹر دکھاتا تھا: ج: وہی غلام حسین۔
س: کیا تمھیں پتہ ہے کہ کسی اور کانسٹبل کو بھی رجسٹر دکھاتا تھا۔
ج: نہیں۔ مجھے علم نہیں۔
س: تم نے کیا کہا تھا کہ ۲۹۔ جون کو لالہ موسیٰ میں کسی کانسٹبل سے سُنا کہ
کہ ایک اور جلسہ لالہ موسیٰ میں ہونے والا ہے۔
ج: جی ہاں۔
س: کیا تم کو بتایا گیا کہ اس جلسے میں کون تقریر کرے گا۔
ج: نہیں۔
س: کیا بتایا گیا تھا کہ کس قسم کا جلسہ ہوگا۔
ج: کانگرس کا۔
س: کیا بتایا گیا تھا کہ کس وقت اور کہاں ہوگا؟
ج: مجھے بتایا گیا تھا کہ رات کو ہوگا۔
س: کیا ۲۸۔ جون کی رات کو بتایا گیا تھا؟
ج: جی ہاں۔
س: تو پھر کس وقت معلوم ہوا کہ یہ جلسہ ملتوی ہو گیا؟
ج: مجھے ٹھیک یاد نہیں۔
س: کیا اس دن جب آپ بیان پڑھ رہے تھے یہ کاغذات آپ کے
پاس تھے؟

ج : ہاں۔
س : کہاں رکھے ہوئے تھے ؟
ج : اپنے پاس جیب میں۔
س : کیا ہمیشہ جیب میں رکھے۔
ج : نہیں۔
س : کیا کبھی اس بکس میں رکھے جو لکڑی کے صندوق میں تھے۔
ج : نہیں۔
چیف جسٹس : جب تمہاری جیب میں نہیں ہوتے تھے تو کہاں رکھتے تھے
ج : ڈبہ میں زمین میں دبا کر رکھ دیتا تھا۔
س : کتنی دفعہ ڈبہ بنا کر زمین میں دبا کر رکھا۔
س : کہاں دبا کر رکھتے تھے۔
ج : سٹی تھانہ پولیس کے سامنے کماد کے کھیت میں۔
س : کیا اب وہ جگہ آباد ہے اور لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے۔
ج : گزرتے رہتے ہیں۔
س : وہ بکس کہاں ہے ؟
ج : زنگ لگنے کی وجہ سے پھینک دیا گیا۔
س : آخری وقت اسے کب نکالا۔
ج : جب میں ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا۔
س : تو اس کے بعد آپ نے ہمیشہ اپنی جیب میں رکھا۔

ج : جی ہاں ۔

س : کیا پرسوں جب آپ شہادت دینے آئے تو یہ آپ کی جیب میں تھے ۔

س : آپ نے میاں عبدالعزیز کو کاغذات کے متعلق کب بتایا ؟

ج : جب میں اسی عدالت میں پیش ہونے کے پہلے دن پولیس کے نرغے میں تھا میں نے ایک شخص سے کہا تھا کہ میاں عبدالعزیز کے ذریعے حضور سے درخواست کی جائے کہ پولیس گرفتار نہ کرے ۔

س : چیف جسٹس : کیا تم اس سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاری یا ان کے کسی رشتہ دار کو بتایا کہ یہ کاغذات تمہارے پاس ہیں ۔

ج : نہیں ۔

سلیم : جب آپ اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوئے تو اور کاغذات کے ساتھ یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دیے ؟

ج : یہ کاغذات میں نے اپنے پاس بطور ثبوت رکھے ۔

س : چیف جسٹس : اس سے کہیے کہ اس سوال کا جواب دے ۔

سلیم : بتائیے کہ اس دن یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دیے

ج : اپنے پاس بطور ثبوت رکھے ۔

س : کیا اس طرح سے ثبوت نہ ہو جاتا ۔

ج : نہیں ۔ یہ بار میں نے اپنے ذمے لیا ۔

سلیم : جب رجسٹر سے یہ کاغذ نکالے تھے رجسٹر کہاں تھا ؟

ج : ریڈر کے قبضے میں ۔
س : کیا ریڈر سے مانگ کر لیا تھا ۔
ج : نہیں ۔ ایسے کاغذات کوئی مانگنے سے دیتا ہے (قہقہہ)
سلیم : تو کیا اسے روپیہ پیسہ دیا ۔
ج : پولیس مقدمہ بنا لیتی ہے ۔
چیف جسٹس : مسٹر سلیم اس سے پوچھیے کہ کس طرح حاصل کیے ۔
ج : ریڈر میرا اعتبار کرتا تھا ۔ میں وہاں تین گھنٹے بیٹھا رہا ۔ جب موقع ملا یہ کاغذ رجسٹر سے علیحدہ کر لیے ۔
چیف جسٹس : مگر جب ریڈر کے پاس گئے تو رجسٹر کہاں تھا ؟
ج : الماری کے اندر ۔
چیف جسٹس : کیا وہ استعمال کر رہا تھا ۔
ج : نہیں ۔
چیف جسٹس : الماری کو قفل لگا ہوا تھا ۔
ج : قفل تھا ، لیکن کھلا ہوا تھا ۔
سلیم : رجسٹر کو الماری سے کس نے نکالا ۔
ج : میں نے ۔
سلیم : کس کام کے لیے گئے تھے ۔
ج : عام طور پر جاتا رہتا تھا ۔ اور تین تین گھنٹے تک وہاں رہتا تھا ۔
س : تین تین گھنٹے تک کیا کرتے رہتے تھے ؟

ج : جب کوئی کام نہ ہوتا میں کرتا رہتا تھا۔

چیف جسٹس : جب تم نے رجسٹر سے پھاڑ لیے تو کیا اس پر کوئی نشان باقی رہ گیا تھا۔

ج : جی ہاں۔

چیف جسٹس : کیا کسی نے تحقیقات کی کہ یہ کاغذ کس نے نکالے۔

گواہ : سنا تھا کہ ایک سب انسپکٹر سی آئی ڈی تحقیقات کے لیے گیا تھا۔

چیف جسٹس : اسی واقعے کے لیے گیا تھا۔

گواہ : علم نہیں۔

چیف جسٹس : کیا کسی شخص نے تم سے بھی سوال کیا تھا۔

گواہ : نہیں۔ میں چھٹی پر چلا گیا تھا۔

چیف جسٹس : ان کاغذات کو پھاڑنے کے کتنے عرصے بعد چھٹی پر گئے۔

ج : سولہ سترہ دن بعد۔

چیف جسٹس : ریڈر کتنی دفعہ اس رجسٹر کو دیکھتا ہے۔

ج : کبھی کبھی کیونکہ یہ روزمرّہ کے استعمال کا رجسٹر نہیں۔

سلیم : جس بکس میں یہ کاغذات دفن کیے تھے وہ کیسا تھا؟

گواہ : گول لمبا ساٹین کا ڈبہّ۔

سلیم : پرسوں تم نے کہا تھا کہ عدالت میں آتے وقت تم نے گھڑی اور انگوٹھی اپنے ایک دوست خواجہ کو دے دی تھی۔ تو یہ کاغذات کیوں نہ دیے

گواہ : میرا خیال تھا کہ شاید دوبارہ میرے ہاتھ نہ آسکیں۔

چیف جسٹس: جب تم نے اے ڈی ایم گجرات میں شہادت کے لیے گئے تو کیا تمہیں یہ خطرہ نہیں تھا۔

گواہ: مجھے پتہ تھا کہ پولیس مجھے گرفتار نہیں کرے گی۔

سلیم: جب تم اس عدالت میں آئے تو تمہیں معلوم تھا کہ تمھارے وارنٹ جاری ہیں۔

ج: جی ہاں پتہ تھا

س: کیا تمہیں پتہ تھا اگر تمہیں گرفتار کیا گیا تو جامہ تلاشی پر یہ کاغذات تم سے لے لیے جائیں گے۔

ج: مجھے پتہ تھا کہ جب ہائیکورٹ کی حدود میں پہنچ جاؤں گا تو مجھے کوئی گرفتار نہیں کرے گا۔

س: پھر یہ انگوٹھی اور گھڑی کیوں دی؟

ج: ہجوم میں گم یا خراب ہو جانے کی وجہ سے۔

س: پھر کاغذات کے چھین جانے کا ڈر نہیں تھا۔

ج: میں نے انھیں بہت محفوظ رکھا ہوا تھا۔

س: کیا سوموار کو وکیل صفائی کو آپ نے بتایا تھا کہ کاغذات آپ کے پاس ہیں؟

ج: میں نے کسی سے کہا تھا کہ ان کو اطلاع پہنچا دی جائے۔

س: یہ کب ہوا؟

ج: سوموار صبح شہادت دینے سے پہلے۔

س : اگر تمھاری ضمانت کا انتظام نہ ہوتا تو ان کا عذرات کے متعلق آپ نے کیا سوچا تھا۔

ج : میرے والد آئے ہوئے تھے انھیں دے دیتا۔

مسٹر سلیم : اس ریڈر کا کیا نام ہے ؟

ج : غلام حسین۔

س : جب تم نے یہ صفحے پھاڑے غلام حسین ہی ریڈر تھا۔

ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں غلام حسین تھا یا بخشی۔

چیف جسٹس : تم اتنی دیر وہاں باتیں کرتے رہے تو تمہیں معلوم نہیں کہ ریڈر کون تھا ؟

ج : میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا۔

چیف جسٹس : ظاہر ہے کہ گواہ جھوٹ بول رہا ہے۔ کیا آپ ریڈر سے کہا کرتے تھے کہ رجسٹر دکھا دو۔ اور وہ دکھا دیا کرتے تھے۔

ج : سپرنٹنڈنٹ پولیس کے حکم پر رجسٹر دکھا دیتا تھا۔

سلیم : کیا آپ نے احمد دین کے مقدمے میں اس تاریخ کے بعد شہادت دی جب آپ نے مجسٹریٹ کی عدالت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں شہادت دی تھی۔

ج : احمد دین کے مقدمہ میں شہادت اس سے پہلے دی۔

سچی شہادت

سلیم : کوئی تاریخ یاد ہے کیا دسمبر میں شہادت دی تھی ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔ ۳ - دسمبر کو چھٹی پر چلا گیا تھا ۔

س : آپ نے اس مقدمہ میں سچی شہادت دی تھی ۔

ج : جب تک دیکھ نہ لوں نہیں بتا سکتا ۔

سلیم : (گواہ سے) لانگ ہینڈ نوٹ کی دفعہ ۶۹ کو دیکھیں کہ یہ مضمون اسی مضمون کا حصّہ ہے جو صد ۲۱ پر لکھا ہے ۔

ج : جی ہاں یہ تسلسل ہے ۔

س : کیا اس کو دیکھ کر بھی آپ اصرار کریں گے کہ یہ صفحے ۱۰۷ تا ۱۱۰ اس نوٹ بک سے نہیں لیے گئے ۔

ج : جی ہاں ۔ میں اب بھی اصرار کرتا ہوں ۔

س : یہ جو بکس جس کا ذکر آپ نے کیا کب زمین میں گاڑا کرتے تھے صبح یا رات ۔

ج : جب کبھی موقع ملتا ۔

سلیم : دن کو یا رات ۔

ج : کبھی صبح ، کبھی دوپہر ، کبھی شام ۔

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے اپنی جوابی جرح ختم کر لی ۔

آنریبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ کیا وہ بھی گواہ سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں ۔ میاں عبدالعزیز نے بھی نفی میں سر ہلا دیا ۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کی شہادت

اس کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات مسٹر اسٹن کی شہادت ہوئی۔ مسٹر اسٹن نے مسٹر سلیم کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تھانہ میں خفیہ خط و کتابت کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جس میں خطوط کے نفس مضمون کے متعلق حوالہ یا عنوان ہوتا ہے خطوط کی نقل اس میں درج نہیں کی جاتی۔ یہ رجسٹر پولیس ہیڈ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی انتہائی خفیہ دستاویز موصول ہو تو اس رجسٹر میں اس کا نمبر اور تاریخ درج کی جاتی ہے لیکن دستاویز کو علیحدہ رکھا جاتا ہے

چیف جسٹس: کیا آپ کا کوئی ریڈر خفیہ خطوط کو دیکھتا ہے۔

ج: اگر خفیہ ہو تو میں اپنے خفیہ بکس میں رکھتا ہوں ریڈر نہیں دیکھتا اس بکس کی چابی میرے پاس رہتی ہے۔

چیف جسٹس: اگر کوئی خفیہ رجسٹر یا خط آپ کا ریڈر دیکھ لے تو وہ خفیہ ہو سکتا ہے۔

ج: نہیں۔

میاں عبدالعزیز کے سوالات

اس پر میاں عبدالعزیز نے فاضل ججان سے درخواست کی کہ انھیں گواہ سے کچھ سوالات پوچھنے کی اجازت دی جائے۔ فاضل ججان نے اجازت دے دی۔

میاں عبدالعزیز: آپ کب سے گجرات پولیس کے انچارج ہیں۔

ج: ۲۔ فروری سن ۱۹۴۰ء سے۔

س: کیا اس سے پہلے کبھی گجرات میں تعینات ہوئے۔

ج: نہیں۔

س: کیا آپ مسٹر برار کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے؟

ج: نہیں۔ میاں عبدالقادر کے بعد۔

س: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسٹر برار کے خلاف خفیہ تحقیقات ہوئی تھی؟

ج: جی ہاں مجھے علم تھا۔

س: کیا اسے معطل کیا گیا تھا؟

ج: مجھے علم نہیں۔

س: وہ کب گجرات سے رخصت پر گیا تھا؟

ج: مجھے علم نہیں۔ شاید اکتوبر یا نومبر کے اخیر میں۔

س: کیا آپ خفیہ رجسٹر پولیس کے قواعد کے متعلق رکھتے ہیں۔

ج: ہمارے پاس دو رجسٹر ہوتے ہیں۔ ایک خفیہ خطوط کے متعلق جس میں اپنے افسران وغیرہ کے خطوط کا حوالہ ہوتا ہے جنھیں عدالت میں پیش کیا جاتا ہے دوسرا انتہائی خفیہ۔

س: کیا خفیہ خطوط جو اعلیٰ حکام سے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر انسپکٹر جنرل یا ڈپٹی انسپکٹر جنرل۔ کیا ان کے خطوط کے نمبر اور مستقبل کے حوالے کے لیے ان کا مختصر سا مضمون اسی خفیہ رجسٹر میں رکھا جاتا ہے۔

ج : نہیں صرف نفس مضمون ۔ یعنی عنوان رکھا جاتا ہے ۔

س : یہ رجسٹر آپ کے آفس میں کلرک کے پاس ہوتا ہے یا ریڈر کے ۔

ج : یہ رجسٹر میرے اپنے انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتا ہے ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ خفیہ خطوط میرے پاس ایک علیحدہ کور میں ہوتے ہیں ۔ اور انھیں میں اپنے پاس رکھتا ہوں ۔

چیف جسٹس : گو ایسا اغلب نہیں ہے لیکن اگر آپ کو وزیر اعظم کی طرف سے خط ملے کہ کانگرس کی تقریر کے جعلی نوٹ بنا کر مقدمہ چلایا جائے تو وہ خط کیا ہوگا ۔

ج : اگر ایسا خط آئے تو میں اسے انتہائی خفیہ سمجھوں گا ۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ ایسے خط کے متعلق میرے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا ۔ میری ساری عمر میں کوئی ایسا خفیہ خط نہیں آیا ۔

س : کیا ایسے رجسٹر کے بکس کی چابی انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتی ہے

ج : نہیں ۔ میں اپنے پاس رکھتا ہوں ۔

س : اگر آپ کبھی مصروف ہوں تو کیا اپنے اسٹینوگرافر کو چابی دے کر کہیں گے کہ وہ رجسٹر نکال کر آپ کو دے ۔

ج : نہیں ۔

س : کیا آپ غلام حسین سب انسپکٹر کے دستخط پہچان سکتے ہیں ۔

ج : نہیں ۔

س : آپ کے پولیس ڈپارٹمنٹ کے کئی مختلف رینج ہیں ۔

ج : جی ہاں۔
س : کیا آپ جانتے ہیں کہ .R.P ہ پولیس میں استعمال کیا جاتا ہے۔
ج : مجھے علم نہیں۔
س : اگر آپ کو کوئی خط آئے اور اس پہ ہدایت ہو کہ اسے واپس کر دیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟
چیف جسٹس : مگر وہ تو کہہ چکا ہے کہ اس کے تجربے میں کبھی ایسا نہیں ہوا؟

لنچ کے بعد کی کارروائی شروع ہوئی لدھا رام کو اس کا بیان سنایا جانے لگا۔ تو جسٹس رام لال اکیلے ہی تھے۔ پانچ منٹ کے بعد جب چیف جسٹس بھی تشریف لائے تو لدھا رام کو بیان سنایا گیا۔ یہ کارروائی پونے تین بجے تک جاری رہی۔

پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعظم کی شہادت

اس کے بعد خان صاحب عبدالحکیم پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعظم کی شہادت ہوئی۔ انھوں نے بتایا میں اپریل ۳۳ء سے وزیر اعظم پنجاب کا پرسنل اسسٹنٹ ہوں۔ ان تمام خطوط کا ریکارڈ رکھتا ہوں جو میں یا وزیر اعظم پنجاب خود لکھتے ہیں۔ ان تمام خطوط کا ذکر اس رجسٹر میں ہوتا ہے
س : رجسٹر دیکھ کر بتائیں کہ ۲۹۔اپریل ۱۹۳۸ء کو وزیر اعظم یا آپ نے مسٹر براسپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کو خط لکھا۔

ج : نہیں۔

چیف جسٹس : کیا ان تاریخوں کے نزدیک کسی تاریخ کو مسٹر پرار کا کوئی خط آیا تھا۔

ج : نہیں۔

چیف جسٹس : وزیر اعظم یا ان کی طرف سے جو خطوط لکھے جاتے ہیں کیا آپ انھیں اس رجسٹر میں درج کرتے ہیں؟

ج : جی ہاں۔ ہمیشہ

مسٹر منیر : یہ تین خط جن کی نقلیں آپ کے سامنے ہیں کبھی آپ کو ملے؟

ج : نہیں مجھے کبھی نہیں ملے۔

س : جو خط آپ وزیر اعظم کے نام سے لکھتے ہیں ان پر نمبر ہوتے ہیں

ج : نہیں۔

س : لفظ C. R. P. کے متعلق آپ کا کوئی Idea ہے؟

اس مرحلہ پر میاں عبدالعزیز نے جرح کی :

س : کیا اس رجسٹر کے اندراج آپ کے ہاتھ کے ہیں؟

ج : نہیں۔

س : کیا اس رجسٹر میں آپ کے کہیں دستخط ہیں؟

ج : نہیں۔

س : آپ دیکھ رہے ہیں کہ رجسٹر کا ٹائیٹل اور کاغذ سے موٹا ہے۔

چیف جسٹس : اس میں آپ کا کیا نکتہ ہے؟

میاں عبدالعزیز: میرا خیال ہے کہ یہ رجسٹر صرف اس مقدمے کے لیے تیار کیا گیا۔

س: آپ یہ بتائیں کہ صفحہ اول پر جہاں آپ کے دستخط ہیں کاغذ موٹا ہے اور علیحدہ کوالٹی کا۔

ج: جی ہاں۔

س: کیا آپ کو اس مقدمے کا علم ہے جب یہ گجرات میں شروع ہوا۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا اس مقدمہ میں وزیر اعظم نے یہ ہدایات ایڈووکیٹ جنرل کو کیں کہ مقدمہ ہائی کورٹ کو منتقل کیا جائے۔

چیف جسٹس: یہ تو ہم خود جانتے ہیں کہ مسٹر سلیم نے مسٹر اکیمپ کی عدالت میں درخواست کی کہ مقدمہ ہائیکورٹ کو منتقل کیا جائے پھر تضیع اوقات کی کیا ضرورت ہے۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ رجسٹر بنایا گیا ہے یا آپ کو یہ ہدایت دی گئی۔ یہاں کسی کے خلاف کیچڑ اچھالنے نہیں دیا جائے گا۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ مجھے بتایا گیا ہے یہ بناوٹی ہے میرا ہرگز ارادہ نہیں کہ کسی کے خلاف کیچڑ اچھالا جائے۔ اس مرحلے پر پرسنل اسسٹنٹ کی شہادت ختم ہو چکی تھی۔

مسٹر سلیم نے پوچھا: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ رجسٹر عدالت

میں رکھا جائے۔

میاں عبدالعزیز: خیال تو یہی ہے۔

چیف جسٹس: کیا آپ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ رجسٹر جعلی بنایا گیا ہے آدمی پیش کریں گے۔

میاں عبدالعزیز: کروں گا۔

جسٹس رام لال: کیا آپ اس کا نام بتائیں گے۔

میاں عبدالعزیز: ہو سکتا ہے میں بتاؤں تو کوئی اسے کہہ دے اور وہ منکر ہو جائے۔

جسٹس رام لال: تو اس کا نام ایک کاغذ پر لکھ کر ہمیں بتا دیں۔ اس پر میاں عبدالعزیز نے ایک پیلے سے کاغذ پر کچھ لکھ کر فاضل جج ان کو دیا۔ جج ان نے پڑھا۔

چیف جسٹس: اس کی شکل کیسی ہے؟

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! وہ پتلا دبلا سا آدمی ہے اور اس کے داڑھی ہے۔

چیف جسٹس: مگر اسے پیش ہونا چاہیے، اس کے نام کا پتہ ہونا چاہیے۔ کیا آپ کی کمیٹی کے کسی عہدہ دار کو پتہ ہے۔

میاں عبدالعزیز: عہدہ دار تو سب جیل میں ہیں۔ چوہدری افضل حق اور مولانا مظہر علی اظہر۔ میں کل اس کا نام دریافت کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس مرحلے پر اجلاس کل تک ملتوی ہو گیا۔ لدھا رام کی عارضی ضمانت

کی میعاد آج ختم تھی۔ لیکن چونکہ اسے کل پھر پیش ہونا ہے اس لیے ضمانت
میں مزید ایک دن کی توسیع کی گئی۔

(مطبوعہ اُردو پریس لاہور)

مقدمہ بخاری کا ڈراپ سین ہو گیا

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو رہا کر دیا گیا

لدھا رام کو ناقابلِ اعتبار گواہ قرار دیا گیا

ہائیکورٹ میں امیر شریعت زندہ باد اور لدھا رام زندہ باد کے نعرے

لاہور ۵۔ اپریل حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مشہور مقدمہ زیر دفعات ۳۰۲ ۔ ۱۱۷ ۔ ۱۲۴ الف ۔ ۱۵۳ تعزیرات ہند کا جس نے کئی دنوں سے دلچسپی پیدا کر رکھی تھی ڈراپ سین ہو گیا جب کہ آج آنریبل چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لال پر مشتمل ایک ڈویژن بنچ نے استغاثہ کے چیف گواہ لدھا رام کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہوئے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بری کر دیا۔

ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں ہوا۔ مقدمہ کا فیصلہ سنتے ہی احاطہ عدالت میں ہجوم نے امیر شریعت زندہ باد۔ لدھا رام زندہ باد

زندہ باد کے نعرے لگائے۔

زاں بعد ہجوم نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو گھیر لیا۔ پولیس نے بڑی مشکل سے ہجوم کو ہٹایا۔ جس کے بعد پولیس لدھا رام کو لاری پر بیٹھا کر جیل لے گئی۔ شاہ صاحب کو ابھی رہا نہیں کیا گیا کیونکہ وہ زیر دفعات ۱۲۴-۳-۱۵۳ راولپنڈی کی ایک عدالت سے سیشن سپرد ہو چکے ہیں۔ اور جس کی سماعت لاہور میں عنقریب ہونے والی ہے۔

لدھا رام کی گرفتاری

استغاثہ کے چیف گواہ لدھا رام کو جسے فاضل جج ان نے منحرف قرار دیا تھا اس کا بیان سنانے کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر سعد اللہ خاں اور چوہدری بنسی مجسٹریٹ درجہ اول گجرات کے دستخطوں سے جاری شدہ وارنٹوں کی بنا پر گرفتار کیا گیا۔ لدھا رام نے فاضل جج ان سے درخواست کی کہ اُسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔ البتہ فاضل جج ان نے یہ درخواست منظور کر لی کہ گجرات میں بھیجنے سے پہلے لاہور جیل میں لدھا رام کا معائنہ کرایا جائے۔

لدھا رام کے خلاف دو الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا ایک یہ کہ گجرات میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوا اور دوسرا یہ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں ایک مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے نہیں گیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیان

اس کے بعد مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شہادت ہوئی۔ تمام سوالات چیف جسٹس نے خود کیے۔

س: کیا آپ نے ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں کوئی تقریر کی۔

ج: جی ہاں۔

س: کیا اس تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کی سلطنت اب نہیں رہی مسلمانوں کو اب چاہیے کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں۔

ج: میں نے کہا کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہی ہاتھ سے گئی سب مسلمانوں کو آزادی وطن میں حصہ لینا چاہیے۔

چیف جسٹس: کیا آپ نے کہا تھا کہ ہماری بیٹیوں کے نکاحوں کے متعلق فیصلے یہ شیطان فرنگی کرتے ہیں اور شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے

ج: ایسے غیر شریفانہ الفاظ میں نے اپنی زبان سے کبھی استعمال نہیں

کیے۔ میں نے کہا تھا کہ وطن کے آزاد ہونے پر ہمارے مذہبی معاملات یعنی نکاح وطلاق وغیرہ کے فیصلے بھی غیر مسلموں کی بجائے ہمارے مذہبی نقطۂ نگاہ سے شریعت کے مطابق فیصل ہوں گے۔

چیف جسٹس : کیا آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ کئی مؤرخوں نے انگریزوں کی متعصبانہ چال میں آکر لکھ دیا کہ اورنگ زیب بارہ من جنیو روزانہ اتروا تا تھا۔

ج : چونکہ جلسہ کانگرس کا تھا اور میں کانگرس کے پلیٹ فارم سے بول رہا تھا تو ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں میں نے کہا تھا کہ بعض متعصبین نے غلط رنگ میں یہ بات مشہور کر دی کہ اورنگ زیب روزانہ بارہ من جنیو جلایا کرتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دہلی کے قرب وجوار میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور اب بھی ہے۔

چیف جسٹس : کیا آپ نے کہا تھا اگر آپ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں تو حکومت کا تختہ الٹ دوں۔ اور ان انگریزوں کو ایسا دھکا دے کر باہر نکالوں کہ واپس نہ آسکیں؟

ج : میں نے اپنی زندگی میں یہ اور ایسے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے

ایک اور سوال کے جواب میں سید عطاء اللہ شاہ نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کر دو جس طرح یزید نے حسینؓ کی قتل کیا۔ میں پچھلے تیس سال سے عدم تشدد کا پرچار کر رہا ہوں۔

ہنگو سے ڈھاکہ تک اور شملہ سے بمبئی تک کروڑوں آدمیوں میں میں نے عدم تشدد کا پرچار کیا۔ لاکھوں کو اپنا ساتھی بنایا۔ میں عدم تشدد کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہوں۔ اس قسم کے لغو الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں کیے اور نہ آئندہ زندگی میں کر سکتا ہوں۔ جہاں تک حسین اور یزید کا تعلق ہے آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید کہا اور انگریزوں کو حسین۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز شاہ صاحب کا کیا مطلب ہے۔

میاں عبدالعزیز: ان کا مطلب یہ ہے کہ میں غیر اسلامی الفاظ کبھی استعمال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ الفاظ استعمال کر کے میں اپنے آپ کو یزید کہوں گا اور انگریزوں کو حسین۔ نہ ہی میں برداشت کر سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔

س: کیا آپ نے تقریر کے خاتمے پر کہا تھا کہ علامہ مشرقی گورنمنٹ کا دلال اور ایجنٹ ہے۔

ج: میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری تقریر کن فقروں پر ختم ہوئی تھی لیکن میں علامہ مشرقی کی تحریک کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ علامہ مشرقی کے متعلق ممکن ہے لیکن اچھی طرح یاد نہیں میں نے ایجنٹ کا لفظ استعمال کیا ہو۔ نہ کہ وہ دوسرا لفظ۔ میں تو اسے زبان سے بھی کہنا نہیں چاہتا

جسٹس رام لال: اس کے سوائے کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

سید عطار اللہ شاہ : نہیں - میں کچھ نہیں کہنا چاہتا -

مسٹر سلیم : میری یہ درخواست ہے کہ ملزم سے دریافت کیا جائے کہ اس کی باقی تقریر کے حصے جو ڈائری میں درج ہیں ان کی رپورٹنگ ٹھیک ہے اور وہ الفاظ جو ان الفاظ کے سوا ڈائری میں درج ہیں درست ہیں -

چیف جسٹس : مگر یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ملزم کہہ دے گا کہ کچھ حصے میں نے کہے اور کچھ نہیں کہے - اس سے کیا نتیجہ نکلے گا -

اس پر چیف جسٹس نے میاں عبد العزیز سے دریافت کیا کہ کیا آپ ملزم سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں - فاضل جج ان نے اجازت دے دی -

مسٹر سلیم : کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ کون تھا کافر - غلام احمد -

میاں عبد العزیز : مگر اس کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں -

جسٹس رام لال : مسٹر عبد العزیز آپ جانتے ہیں کہ لدھارام کی شہادت کی کیا وقعت ہے ؟ (قہقہہ)

اس پر مسٹر سلیم نے اپنا سوال بنایا - جس پر چیف جسٹس نے شاہ صاحب سے یہ سوال پوچھا - کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ بھی کافر ہے جس نے انگریزوں کو پانچ صد گھڑ سواروں سے مدد دی تھی - وہ کون ہے ؟ غلام احمد سوال یہ ہے یہ کوئی تاریخی واقعہ ہے -

میاں عبد العزیز : نہیں مائی لارڈ یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں -

ج ۔ میں نے ہزاروں مرتبہ مرزا غلام احمد کو کافر کہا۔ کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ میرا مذہب ہے۔ باقی مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں میں درج ہے جس میں انھوں نے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں دلایا تھا۔

ان کے دادا نے ۱۸۵۷ء میں پانچ سو سواروں سے گورنمنٹ کی مدد کی۔

اس کے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مقدمہ نمبر (۲)

مسٹر جی ڈی کھوسلہ
سشن جج گورداسپور کا فاضلانہ فیصلہ

بخاری ڈیفنس کونسل

۱ : مولانا مظہر علی اظہر سکریٹری مجلس احرار اسلام ہند
۲ : مولانا عبدالکریم مولوی فاضل آف مباہلہ
۳ : لالہ پشاوری مل بی ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل بی
۴ : بابو شریف حسین صاحب بی اے ایل ایل بی
۵ : مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر

فاضل سشن جج کا فیصلہ

اپیلانٹ سید عطاء اللہ بخاری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے ۶ ماہ قید با مشقت کی سزا اس تقریر کی بنا پر دی گئی ہے جو اس نے احرار تبلیغ کانفرنس کے موقع پر ۲۱۔ اکتوبر ۳۴ء کو کی تھی۔

مرزائیت کی تاریخ

اپیلانٹ کے خلاف فرد جرم پر نظر ڈالنے سے پہلے چند واقعات کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جو معاملہ زیر بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقریباً پچاس برس کا عرصہ ہوا قادیان کے ایک شخص مسمی غلام احمد نے دنیا کو اعلان کیا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اسلام کے اعلیٰ پادری کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کے بعض عقائد اور اصول اسلام کے عام مسلمہ اصولوں سے بالکل متضاد تھے۔ اس فرقے کا جو قادیانی یا مرزائی

یا احمدی کہلاتا ہے امتیازی نشان یہ ہے کہ اس کے ارکان اس فرقے کے بانی کی (جسے مرزا کہا جاتا ہے) نبوت پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو تحریک اس طرح شروع کی گئی اس نے جلد ہی شکل پکڑی۔ اور آہستہ آہستہ لیکن غیر مشتبہ طور پر بڑھنا شروع کیا اور اس کے پیرو چند ہزار کی تعداد میں ہو گئے۔ قدرتاً کچھ مخالفت ہوئی اور مسلمانوں کی اکثریت بانی فرقہ کی مذہبی فوقیت کے گھمنڈ سے سخت ناراض ہوئی۔ مذہب کے مخالفوں نے "کافر" کے الزام کا جو مرزا نے ان پر لگایا شدت سے جواب دیا۔ مگر قادیانیوں نے اس بیرونی تنقید کا بالکل خیال نہ کیا اور اپنے وطن قادیان میں مقامی طور پر محفوظ ہوتے ہوئے۔ جہاں تک ہو سکا حالات کے مطابق خوشحال رہے۔

قادیانیوں کا تمرّد اور دہشت انگیزی

مقابلتاً محفوظ ہونے کی اس حالت نے غرور پیدا کر دیا جس نے قادیانیوں میں تقریباً تمرّد کی شکل اختیار کر لی۔ اپنے دلائل کو منوانے اور فرقے کو ترقی دینے کے لیے انھوں نے ان ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ جن کو عام طور پر نہایت ناپسندیدہ کہا جائے گا۔ انھوں نے ان اشخاص کے دلوں میں جنھوں نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا نہ صرف بائیکاٹ، اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی بدتر مصائب کی دھمکیوں سے دہشت انگیزی پیدا کی، بلکہ اکثر انھوں نے ان دھمکیوں

کو عملی جامہ پہنا کر اپنے تبلیغی سلسلے کو مضبوط کیا۔ قادیان میں ایک ڈائریکٹر کو مقرر کی گئی جس کا منشا غالباً اپنے احکام کو منوانے کے لیے قوت پیدا کرنا تھا۔ انھوں نے عدالتی اختیارات کا استعمال بھی اپنے ذمے لیا۔ دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کی گئیں اور اجرا بھی کرایا گیا۔ فوجداری مقدمات میں سزا کے حکم سنائے گئے۔ اور سزائیں بھی دی گئیں۔ لوگوں کو فی الحقیقت قادیان سے نکال دیا گیا۔ قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ قادیانیوں پر صریح الزام لگایا گیا کہ انھوں نے مکانوں کو تباہ کیا، جلایا اور قتل تک بھی کیے۔

الزامات کا ثبوت

اس خیال سے کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ مذکورہ بالا واقعات محض احرار کے تخیل کی ایجاد ہیں یہ لازمی ہے کہ میں چند واقعی مثالیں بیان کر دوں جو اس مقدمے کی مسل پر لائی گئیں۔

قادیان سے لوگوں کا اخراج

کم از کم دو اشخاص کو اپنے وطن قادیان سے باہر نکالا گیا کیونکہ ان کے خیالات مرزا کے خیالات سے متفق نہ تھے۔ وہ اشخاص حبیب الرحمٰن ۲۸ اور اسمٰعیل ہیں۔ مسل پر ایک چٹھی ڈی زیڈ ۳۳ موجود ہے جس کا کاتب خود موجودہ مرزا ہے اور جس میں حکم دیا گیا کہ حبیب الرحمٰن گواہ

صفائی ۲۸ کو قادیان میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس چٹھی کو مرزا بشیر الدین محمود احمد گواہ صفائی ۳۷ نے تسلیم کیا ہے۔ گواہ صفائی ۲۰ (خانصاحب فرزند علی) نے تسلیم کیا ہے کہ اسمٰعیل کو جماعت سے خارج کیا گیا۔ اور قادیان میں داخل نہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے دیگر گواہوں نے تشدد اور ظلم کی داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہ ۴۹ بیان کرتا ہے کہ مرزائیوں نے اس پر حملہ کیا۔ ایک شخص عزیب شاہ کو قادیانیوں نے مارا اور جب اس نے دعویٰ کرنا چاہا تو کوئی شخص اس کی شہادت دینے کے لیے آگے نہ آیا۔ قادیانی ججوں کے فیصلہ شدہ مقدمات کی مسلیں پیش کی گئیں۔ جو مسل میں موجود ہیں۔ مرزا نے تسلیم کیا ہے کہ عدالتی اختیارات قادیان میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ان معاملات میں وہ خود آخری عدالت اپیل ہے۔ عدالت کی ڈگریوں کا اجرا کیا جاتا ہے۔ اور ایک مثال بھی موجود ہے۔ جہاں ڈگری کے اجرا میں ایک مکان کو نیلام کیا گیا[1]۔ قادیان میں ایک والنٹیر کور کی موجودگی کی شہادت گواہ صفائی ۴۲ (مرزا شریف احمد) نے دی ہے۔

مولانا عبد الکریم "مباہلہ" کی داستان، رد اور محمد حسین شہید کا قتل

علاوہ ازیں سب سے سنگین معاملہ عبد الکریم کا ہے جس کی داستان

۱: مرزا کو جو عرضیاں دی جاتی ہیں ان پر قادیانی ساخت کا اسٹامپ اور کورٹ فیس تیار کر کے فروخت اور استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہ سب پوشیدہ طور پر کیا جاتا ہے

حقیقتاً ایک داستانِ درد ہے۔ اس شخص نے مرزائی مذہب قبول کیا اور قادیان چلا گیا۔ مگر وہاں اس کے دل میں مذہبی شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور اس نے مرزائیت سے توبہ کی تب اس پر ستم آرائی کی ابتدا ہوئی۔ اس نے ایک اخبار "مباہلہ" نامی جاری کیا جس کا مقصد مرزائی جماعت کے اعتقادات پر تنقید کرنا تھا۔ مرزا نے ایک تقریر میں جو دستاویز ڈی زیڈ ۳۹ (الفضل مورخہ ا پہلم) میں شائع ہوئی ہے اس تقریر میں ان لوگوں کی طرف اشارہ بھی کیا جو اپنے مذہب کی خاطر قتل کرنے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس تقریر کے فوراً بعد عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن وہ بچ گیا۔ ایک شخص محمد حسین عبدالکریم کی امداد کرتا تھا اور ایک فوجداری مقدمہ میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا اس کا ضامن تھا، اس پر فی الحقیقت حملہ ہوا۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوئی

قاتل کی عزت افزائی

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی اور پھانسی کے بعد لاش قادیان میں لائی گئی۔ اور بڑی دھوم دھام سے اسے اس جگہ دفن کیا گیا جس کا نام "بہشتی مقبرہ" ہے۔ الفضل اخبار میں جو مرزائی جماعت کا اخبار ہے قتل کی تعریف اور قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہیں تھا اور امر واقع سے قبل ہی جان دے کر پھانسی کی بدنام کنندہ سزا سے بچ گیا۔ خدا نے اپنے عدل و انصاف میں یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی کی ذلت سے پہلے ہی اس کی روح

قبض کرلے۔

مرزا محمود کی صریح غلط بیانی اور اس کا فسادِ نیّت

جب عدالت میں مرزا کا ایک معاملے کے متعلق بیان لیا گیا تو اس نے بالکل مختلف کہانی بیان کی اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کو باعزت طریق پر اس لیے دفن کیا گیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر اظہار ندامت کیا تھا اور اس طرح گناہ سے بری ہو گیا تھا۔ لیکن دستاویز ڈی زیڈ ۱۲ اس کی تردید کرتی ہے۔ اور مرزا کی نیت اور اس کی دلی کیفیت کا پتہ اس اظہار خیالات سے بالکل عیاں ہے۔ (ڈی زیڈ ۴۲)

لاہور ہائیکورٹ کی توہین

میں یہاں یہ بھی کہہ دوں کہ اس دستاویز کا مضمون لاہور ہائیکورٹ کی توہین بھی ہے۔

محمد امین کا قتل

ایک اور واقعہ بھی ہے جو محمد امین کے قتل سے تعلق رکھتا ہے یہ محمد امین بھی مرزائی تھا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اس فرقے کا ایک مبلغ تھا اس کو بخارا بھیجا گیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی جو چوہدری فتح محمد گواہ صفائی

رار نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملے کو سرسری نظر سے دیکھا ہے لیکن اس پر نظرِ غائر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ محمد امین اگرچہ مرزائی تھا لیکن وہ مرزا کا موردِ عتاب ہو چکا تھا اس لیے ہستی بزرگ نہیں رہا تھا اس کی موت کے واقعات کچھ ہی ہوں یہ امر ناقابلِ انکار ہے کہ محمد امین تشدّد کی موت مرا۔ پولیس کو واقعے کی اطلاع دی گئی لیکن بالکل کارروائی نہ کی گئی۔ یہ بحث کرنا فضول ہے کہ قاتل حفاظت خود اختیاری کر رہا تھا کیونکہ یہ فیصلہ تو اس عدالت کا کام ہے جو مقدمے کی سماعت کرے۔ یہ امر کافی تعجب انگیز ہے کہ چوہدری فتح محمد نے بہ اقرار صالح بیان دیا ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا تھا مگر پولیس کچھ نہ کر سکی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مرزائی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ کوئی گواہ سامنے آکر سچ بولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا معاملہ بھی ہے عبدالکریم کو قادیان سے نکالنے کے بعد اس کا مکان جلا دیا گیا۔ اُسے قادیان کی اسمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریقے سے گرانے کی کوشش بھی کی گئی۔

قادیان میں طوائف الملوکی!

یہ افسوسناک واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قادیان میں طوائف الملوکی تھی جس میں آتش زنی اور قتل بھی ہوتے تھے۔

حکومت مفلوج ہو چکی تھی!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکام ایک غیر معمولی درجے کے فالج کا شکار ہو چکے

اور دنیوی اور دینی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز نہ اٹھائی گئی۔ مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایات کی گئیں لیکن انسداد نہ ہوا۔ مسل پر ایک دو ایسی شکایات ہیں لیکن ان کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے اور اس مقدمے کے اغراض کے لیے یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں ظلم وجور جاری ہونے کے متعلق غیر مشتبہ الزامات عائد کیے گئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی گئی۔

تبلیغ کانفرنس مسلمانوں میں روح حیات پیدا کرنے کیلیے بلائی گئی

ان کارروائیوں کے سدباب کے لیے اور مسلمانوں کے اندر منقذا نہ روح حیات پیدا کرنے کے لیے احرار تبلیغ کانفرنس بلائی گئی۔

قادیانیوں کی طرف سے کانفرنس کی مخالفت

قادیانیوں نے قدرتاً اس اقدام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور انھوں نے کانفرنس کے انعقاد کو کلیتہً روکنے کے لیے دلیرانہ کوشش کی احرار کانفرنس کے انعقاد کے لیے ایک شخص البشر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی۔ قادیانیوں نے اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اس پر دیوار کھینچ دی۔ اس طرح اس ایک ہی قطعہ زمین سے بھی محروم کر دیے گئے جو ان کو قادیان میں حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس لیے مجبور کر دیے گئے کہ قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ اپنا اجلاس کریں۔ دیوار کا بنایا جانا ظاہر کرتا ہے

کہ اس وقت فریقین میں تعلقات کس قدر کشیدہ تھے۔ اور مرزائیوں کا تمرد کس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی انجام سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ شاہ کا مقناطیسی جذب اور فصیحانہ خطابت

لیکن اجلاس ہوا۔ اور یہی اجلاس تھا جس کے لیے اپیلانٹ کو کہا گیا جو بے انداز مقناطیسی جذب اور اعلیٰ درجے کی فصیحانہ خطابت کا مالک ہے اس نے اس اجلاس میں وہ تقریر کی جسے ولولہ انگیز خطاب کہا جا سکتا ہے تقریر کئی گھنٹے جاری رہی۔ اور بیان کیا گیا ہے حاضرین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہیں۔ اس تقریر میں اپیلانٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کس قدر صاف گوئی سے کیا اور اس نے اس بات کو پوشیدہ نہ رکھا کہ اس کے دل میں مرزا اور اس کے پیروؤں کے خلاف کس قدر ناپسندیدگی بلکہ نفرت ہے یہ تقریر اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر اعتراض کیا گیا۔ معاملہ حکومت پنجاب کے سامنے پیش ہوا۔ جس نے موجودہ مقدمہ کی اجازت دی۔

تقریر کے قابلِ اعتراض حصے

اپیلانٹ کے خلاف جو فردِ جرم ہے اس میں اس کی تقریر کے سات حصے درج ہیں جن کو خاص طور پر قابلِ اعتراض اور قابلِ گرفت بتایا گیا ہے۔ وہ حصے یہ ہیں: فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبیؐ کا نواسا ہوں ۔ وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ ۔ وہ مجھ سے اردو، فارسی، پنجابی میں ہر معاملے پر بحث کر لے۔ یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردے سے باہر آئے، نقاب اٹھائے کفنی لڑے۔ مولا علی کے جوہر دیکھے۔ وہ ہر رنگ میں آئے ۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں ۔ وہ ریشم پہن کر آئے میں کھدر۔ وہ مزعفر، کباب، یاقورنیاں اور پلومر کی ٹانک وائن اپنے آبا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں۔

۳: یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ برطانیہ کے دُم کٹے کتے ہیں۔ وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی ٹو صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا ہوں بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو پھر بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو۔ کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ سیاسی مجلس نہیں ہے۔ او مرزائیو! اگر یا کہیں ڈھیلی ہو تیں۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی ہوش میں آؤ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔

۴: جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں نبی بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔

۵: او مسیح کی بھیڑ و تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا جس سے اب مقابلہ پڑا ہے یہ مجلس احرار ہے اس نے تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

۶: او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

۷۔ اگر ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے نہ بنتے۔

اپیلانٹ نے عدالتِ ماتحت میں بیان کیا کہ اس کی تقریر درست طور پر نہیں لکھی گئی۔ اس نے جملہ ۵ کے متعلق خاص طور پر کہا کہ وہ اس کا کہا ہوا نہیں ہے۔ اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے لیکن اس نے عبارت کے غلط ہونے کا عذر اٹھایا۔ عدالتِ ماتحت کے فیصلے پر کہ جملہ ۵ کی رپورٹ غلط ہے اور اپیلانٹ کو اس کے متعلق مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا اپیلانٹ کی سزایابی باقی چھ فقروں پر مدار رکھتی ہے۔ اپیلانٹ کے وکیل نے بحث کے وقت فوراً تسلیم کیا کہ فقرہ جات ۱ تا ۴ اور ۵ تا ۷ فی الحقیقت اپیلانٹ نے کہے۔ وہ اس مرحلے پر رپورٹر کی عبارت کی درستگی کو بھی زیرِ بحث نہیں لانا چاہتا اس لیے میرے واسطے یہی امر قابلِ فیصلہ ہے کہ آیا یہ چھ جملے زیرِ دفعہ ۱۵۳ الف قابلِ گرفت ہیں اور کیا یہ الفاظ کہہ کر مرافعہ گزار نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے

مرافعہ گزار نے عدالت میں بہت سی تحریری شہادتیں پیش کیں اور یہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی تقریر کا مقصد مرزا اور اس کے متبعین کے جبر و تشدد اور ستم رانیوں پر جائز اور معقول تنقید کرنا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس کی تقریر کا واحد مقصد سوئے ہوئے مسلمانوں کو دعوت بیداری دینا اور مرزائیوں کے مذموم افعال کا راز طشت از بام کرنا تھا۔

اس نے اپنی تقریر میں جابجا مرزا کے ظلم و تشدد کا ذکر کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ان مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کیا جائے جو صرف مرزا کی نبوت اور اس کے خود ساختہ اقتدار کے منکر ہونے کی وجہ سے ہدفِ جور و ستم بنے ہوئے ہیں۔

تقریر کا مقصد میں نے مرافعہ گزار کی تقریر پر اُن حالات کی روشنی میں غور کیا ہے جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے اوّل یہ کہ وہ مرزا اور اس کے متبعین کے افعال پر تنقید کرے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دینا چاہتا تھا کہ وہ مرزائیوں کے مقابلے میں بیدار ہو کر اپنی شکایات کے ازالہ کی کوئی صورت نکالیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے صلح کا ایک اعلان تھی۔ لیکن اسے سرسری طور پر پڑھنے سے کوئی معقول آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اعلانِ صلح کی بجائے یہ تقریر پیکار آزمائی کی دعوت تھی۔ مرافعہ گذار نے قانون کے اندر رہنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو لیکن اپنی لسانیت اور جوشِ فصاحت میں وہ قانون کی امتناعی حدود کو پھاند گیا۔ اور اس نے ایسی باتیں کہہ دیں جو اس کے سامعین کے دل میں مرزائیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک پختہ کار مقرر کی طرح مرافعہ گذار نے روما کے مارک انٹونی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے برسرِ پرخاش نہیں ہونا چاہتا، لیکن صلح و اتحاد کا یہ اعلان ایسی سخت کلامی سے مملو تھا جس کا مقصد سامعین کے دل میں احمدیوں کے خلاف منافرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

جائز تنقید اس میں شک نہیں کہ مرافعہ گذار کی تنقید میں ایسے حصے بھی ہیں جو مرزا کے افعال کی جائز اور معقول تنقید پر مبنی ہیں تقریر کے

دوران میں عزیز شاہ کو زدوکوب کرنے کا واقعہ، محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مرزائے قادیان کے جبر و تشدد کے متعدد ایسے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن پر تنقید کرنے کا ہر سچے مسلمان کو حق ہے۔ نیز اس تقریر کے دوران میں اس توہین کا ذکر بھی کیا گیا جو احمدی پیغمبر (محمدؐ) کی شان میں روا رکھتے ہیں۔ اور جن سے لازمی طور پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

مرزائیوں اور مسلمانوں کے عقائد مسلمانوں کے نزدیک محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محمد (صلعم) کے بعد بھی کئی نبی آسکتے ہیں۔ اور ان پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور یہ کہ فرقہ مرزائیہ کا بانی نبی اور مسیح موعود تھا۔ اس حد تک مرافعہ گذار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے لیکن جب وہ سخت کلامی سے کام لیتا ہے اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے خطاب کرتا ہے جنہیں سنتا کوئی معقول آدمی گوارا نہیں کرسکتا تو وہ جائز اور معقول تقریر کی حدود کو پھاند جاتا ہے اور خواہ اس نے یہ باتیں دیدہ و دانستہ کہیں یا جذبات کے جوش میں قانون ان سے اغماض نہیں برت سکتا۔

تقریر کا اثر مرافعہ گذار کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے سامعین کی کثرت ناخواندہ دیہاتیوں پر مشتمل ہے اور یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دل میں احمدیوں کے خلاف بغض و عناد کے جذبات کی پرورش کرے گی۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریر نے سامعین پر مزعومہ اثر ڈالا اور مقرر کی لسانیت سے مسحور ہو کر لوگوں نے متعدد دفعہ جوش کا مظاہرہ کیا۔ یہاں اس امر پر بحث کرنے

کی ضرورت نہیں کہ سامعین نے اس وقت اپنے مخالفین کے خلاف متشددانہ اقدام کیوں نہ کیا۔ اس تقریر نے نفرت کو کچھ زیادہ ہی کر دیا ہے۔

تقریر کے قابلِ اعتراض حصے

فردِ جرم میں جن سات حصوں کو قابلِ گرفت ٹھہرایا گیا میرے نزدیک ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابلِ اعتراض حصے ہیں۔ ان فقروں میں مرافعہ گذار نے احمدیوں کو برطانیہ کے دُمِ بریدہ کتے کہا ہے میرے نزدیک دوسرے حصے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ اکے ماتحت قابلِ گرفت نہیں ہیں۔ پہلا حصہ یعنی فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک بالکل بے ضرر ہے دوسرا حصہ مرزا کی خوراک کے متعلق ہے۔ یہ امر قابلِ دلچسپی ہے کہ مرزائے اوّل نے اپنے عقیدت مندوں میں سے ایک کے نام خط لکھا تھا جس میں خوراک کی ایسی تمام تفصیلات موجود تھیں۔ یہ خطوط کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور ان کا ایک نسخہ اس مقدمے کے کاغذات میں شامل ہے۔

میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصے کے سوا اور کوئی حصہ قابلِ گرفت نہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ مرافعہ گذار کی تقریر میں صرف دو حصے ہی قابلِ اعتراض ہیں۔ تقریر کے کوائف سے پتہ چلتا ہے کہ مرافعہ گذار کا مقصد جہاں احمدیوں کے افعالِ شنیعہ کا تاروپود بکھیرنا تھا وہاں مسلمانوں کے دل میں ان کے خلاف جذباتِ حقارت پیدا کرنا بھی تھا۔ یہ امر کہ سامعین نے اس کی تقریر سے متاثر ہو کر تشدد اور امن شکنی کا مظاہرہ کیوں نہ کیا اس کے جرم میں صرف تخفیف کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

مرزائیوں کیخلاف تنقید جائز تھی

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مرافعہ گذار احمدیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ تاہم میرے خیال میں اس نے قانون کی حدیں توڑ دیں۔ اگرچہ مرافعہ گذار نے اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو بھی قانون کی ہمہ گیری کا تحفظ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

آخری فیصلہ

اس مقدمے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور سامعین پر اس تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مرافعہ گزار نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت ارتکاب جرم کیا ہے اور اس کے جرم کو قائم رہنا چاہیے۔ سزا کی کمی اور بیشی کا اندازہ کرتے وقت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے۔ چنانچہ میں اس کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

دستخط

جی ڈی کھوسلہ سشن جج

گورداسپور

۶۔ جون ۱۹۳۵ء